تعلیم و تربیت
دسمبر 2017
جشن عید میلاد النبی ﷺ مبارک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

پیارے بچو! اللہ کے رسول محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی اور پاکیزگی ایک اعلیٰ نمونہ تھی، جو نہ کسی بشر میں دیکھی گئی اور نہ دیکھی جائے گی۔ حتیٰ کہ قرآن بھی آپ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کی گواہی دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے احکامات پر کس طرح عمل کیا، بڑوں کا ادب کیسے کیا، رشتہ داروں اور دوستوں سے کیسے پیش آتے رہے۔ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں پہ کیسے رحمت اور شفقت برسائی۔ آپ ﷺ کا دشمنوں اور کافروں سے سلوک کیسا تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے صدق و دیانت، عدل و انصاف، عفو و درگزر، سخاوت و شجاعت کا اعلیٰ معیار قائم کیا اور حکمت عظمت کی عظیم مثالیں قائم کیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی بھی اچھی گزرے، ہم دین و دنیا میں سرفراز ہوں تو ہمیں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا ہوگا۔ اپنے اخلاق و کردار سے دوسروں کو دوست بنانا ہوگا۔

اس ماہ کا رسالہ پڑھیے۔ اس میں ۱۲ ربیع الاول کے حوالے سے ایک مضمون شامل ہے۔ اس کے علاوہ قائداعظمؒ کے حوالے سے بھی ایک مضمون، دل چسپ کہانیاں اور معلومات شامل ہیں۔ آپ کی فرمائش کے مطابق شکاریات پر "ویت نام کے آدم خور" پر دل چسپ تحریر ہے، یقیناً آپ کو پسند آئے گی۔ دیگر دل چسپ کہانیاں بھی ہیں، ہم نے کوشش کی ہے کہ ہمارے دیرینہ کہانی کار تو بلاشبہ اچھا لکھتے ہی ہیں کیوں نہ نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔ آپ کی رائے، تنقید اور مشوروں کا انتظار رہے گا۔ آپ کے لیے بہت سی دعائیں۔

"پاکستان زندہ باد"

فی امان اللہ
ایڈیٹر

اس شمارے میں

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

اسسٹنٹ ایڈیٹر:

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
ہیڈ آفس و شوروم: 81۔ ڈی/1، مین بلیوارڈ، گلبرگ، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیاء، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ 35 روپے

حمدِ باری تعالیٰ

یہ مکاں و لا مکاں پیدا کیے
یہ زمین و آسماں پیدا کیے

لفظِ کن سے اے مرے پروردگار
تو نے کتنے ہی جہاں پیدا کیے

اس جہاں میں نیک لوگوں کے لیے
کیسے کیسے امتحاں پیدا کیے

جنتی لوگوں کی خدمت کے لیے
غلمان کی صورت جواں پیدا کیے

معصیت کی چلچلاتی دھوپ میں
رحمتوں کے سائباں پیدا کیے

ظالموں کے بالمقابل اے خدا
تو نے کتنے مہرباں پیدا کیے

اونچے اونچے پربتوں کے ساتھ ساتھ
تو نے بحرِ بے کراں پیدا کیے

نعت رسولِ مقبول ﷺ

وہ ایک کیف جو مدینے کی فضاؤں میں ہے
وہ ایک مستی جو اس شہر کی ہواؤں میں ہے

ہزار چاہا، مدینے مگر پہنچ نہ سکے
نہ جانے کون سی زنجیر اپنے پاؤں میں ہے

شفا جو ان ﷺ کے لعاب دہن نے بخشی ہے
شفا کہاں وہ بھلا آج کی دواؤں میں ہے

زمانے بھر کی تمازت سے جسم جلتے ہیں
سکون گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہے

شب معراج یہ اللہ نے حکم فرمایا
رہے وہ پاؤں میں جوڑا جو اُنؐ کے پاؤں میں ہے

وہ جب بھی چھائیں تو رحمت کا مینہ برسائیں
یہ خوبی طیبہ پہ چھائی ہوئی گھٹاؤں میں ہے

مدینہ پاک میں ہوتی ہیں مستجاب قمر
نہ جانے کتنے گنا اثر ان دعاؤں میں ہے

ریاض حسین قمر

غلمان: جنت کے کم سن خادم
معصیت: گناہ

تمازت: گرمی
مستجاب: قبولیت

پیارے بچو! اسلامی مہینوں میں سے ربیع الاول وہ مبارک مہینا ہے، جس میں آپ ﷺ کا اس عالم میں ظہور ہوا۔ مسلمان آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ۱۲ ربیع الاول کو عقیدت واحترام اور پورے جذبے کے ساتھ مناتے ہیں۔ مختلف مساجد اور مقامات پر محافل منعقد کی جاتی ہیں، جن میں نعت خواں آپ ﷺ کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں اور علماء کرام آپ ﷺ کی ولادت باسعادت، آپ ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کی پاک سیرت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ کی ولادت اس زمانہ میں ہوئی جب ملک عرب جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، بت پرستی عام تھی، فرسودہ رسومات نے عرب معاشرہ کو جکڑ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کا وجود دو جہانوں کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوا۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء اور رسولوں کی سیادت (سرداری) بخشی گئی۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء و رسل پر فضیلت عطا کی گئی۔ معراج کے موقع پر آپ ﷺ کو انبیاء و رسل کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر تمام ہوا۔ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج عطا فرمائی، آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پاکیزہ اور مثالی اخلاق بخشے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔" (القلم:4)

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔" (سنن الکبریٰ للبیہقی:20782)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن پاک نازل فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ قرآن پاک آپ ﷺ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے، اس کا مقابلہ کوئی کر سکا ہے نہ کر سکے گا، یہ قیامت تک لیے معجزہ ہے۔ قرآن پاک ہمارے لیے راہِ ہدایت ہے، یہ ایک جامع کتاب ہے، اس کی تعلیمات روشن اور ابدی ہیں، یہ ایک انقلابی کتاب ہے، اس کی بدولت لاکھوں، کروڑوں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

آپ ﷺ کے پیارے اقوال اور افعال کو "حدیث" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ علمائے محدثین نے احادیث کو محفوظ فرمایا، اور اس کے لیے ایک نئے علم کی بنا ڈالی، جس کو "اسماء الرجال" کا علم کہا جاتا ہے، جس میں راوی کی صداقت اور عدالت کو جانچا جاتا ہے۔ پس قرآن و حدیث ہدایت کے اور علوم کے سرچشمے اور ہمارے دین کی اساس ہیں۔

آپ ﷺ کی روشن زندگی کو ہمارے لیے "نمونہ" قرار دیا گیا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے ذکر کرتا ہو۔" (الاحزاب:21)

آپ کو دو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (الانبیاء:107)

پیارے بچو! یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کی امت میں پیدا کیا۔ آپ پیارے ہیں تو آپ کی امت بھی پیاری ہے۔ یہ فضیلت ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کے واسطے سے ملی، تو کیا خیال ہے ہمیں آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے؟ آپ سے محبت نہیں رکھنی چاہیے؟ آپ کی سنتوں کو اپنے سراپے میں بسانا نہیں چاہیے؟ آپ پر کثرت سے درود شریف نہیں پڑھنا چاہیے؟ جی بالکل آپ کی اطاعت میں ہی آخرت میں ہماری بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ☆☆☆

پیارے نبی ﷺ کا بچپن

رانا محمد شاہد

نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پہلے لوگ پہلے نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کو بھلا چکے تھے۔ خصوصاً عرب کے لوگ بت پرستی اور دیگر بہت سی گمراہیوں کا شکار تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے اور پھر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اس گمراہی کی سیاہ رات میں ایک ایسے آفتاب ہدایت کی ضرورت تھی۔ جو طلوع ہو کر گناہوں و گمراہیوں میں مبتلا لوگوں کو توحید و رسالت کے نور سے روشن کر دیتا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ہادی برحق حضرت محمد ﷺ کو آفتاب ہدایت کی صورت میں انسانیت کے لیے آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔

آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے دادا خانہ کعبہ میں عبادت کر رہے تھے کہ صبح کے جھٹ پٹے میں کسی نے کہا۔ ”سردار مکہ! آپ کو مبارک ہو۔ آپ کے مرحوم بیٹے عبداللہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔“ یہ خوش خبری بوڑھے دادا کے لیے نئی زندگی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ گھر تشریف لائے۔ پوتے کو دیکھا۔ عبداللہ کا چاند اور آمنہ کا لال دمک رہا تھا۔ دادا حضرت عبدالمطلب نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ بچے کی پیشانی چومی اور سینے سے لگا لیا۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ 12 ربیع الاوّل بروز پیر بہ مطابق 19 اپریل 571ء کو طلوع آفتاب سے پہلے عرب کے قبیلہ قریش کے خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ بنو ہاشم حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان تھا جو عرب کا سب سے معزز گھرانہ سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے آپ کے والد محترم انتقال فرما چکے تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے ایک نور دیکھا۔ جس کی روشنی سے شام کے محل تک روشن ہو گئے۔ آپ کی حیات طیبہ میں ہی مکہ سے شام تک کے علاقے میں اسلام پھیل گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی پیدائش پر ایران کا آتش کدہ جو ہزاروں سال سے جل رہا تھا، خود بخود بجھ گیا اور عرب کے بت کدے میں رکھے تمام بت بھی گر گئے۔

ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا گیا۔ والدہ نے آپ کا نام احمد رکھا تھا جب کہ دادا حضرت عبدالمطلب نے ”محمد ﷺ“ رکھا۔ اس انوکھے نام پر قبیلے کے لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا اور دادا سے کہا۔ ”آپ نے ایسا نام تجویز کیا ہے۔ جو آپ کے آباؤ اجداد میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔“ تو حضرت عبدالمطلب نے جواب میں کہا۔ ”میرے پوتے کا نام ”محمد ﷺ“ کا مطلب ہے وہ ہستی جس کی ہر جگہ اور ہر وقت تعریف کی جائے۔ آپ کی خوبیاں اور اعلیٰ اوصاف بیان کرتے صدیاں گزر گئیں۔ ہماری

-اذانوں میں، نمازوں میں اور دعاؤں میں آپؐ کے ذکر مبارک کی خوشبو رچی بسی ہے۔

تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا
ہو گئیں زندگیاں ختم اور قلم ٹوٹ گئے

ہمارے نبی ﷺ ابھی ننھے سے تھے کہ عربوں کے دستور کے مطابق آپؐ کو دائی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ عربوں کا دستور تھا کہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو اچھی تربیت اور صحت کے لیے گاؤں بھیج دیتے تھے۔ چار سال تک آپؐ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ بی بی حلیمہ کو آپؐ سے بہت محبت تھی۔ وہ آپؐ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں۔ جب آپؐ ذرا بڑے ہوئے تو اپنے دودھ شریک بھائیوں کے ساتھ آس پاس کے میدانوں اور جنگلوں میں بکریاں چرانے چلے جاتے۔

جب آپؐ کی عمر مبارک 6 سال ہوئی تو آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ آپ کو لے کر مدینہ آ گئیں۔ وہیں آپؐ کے والد حضرت عبداللہ کی قبر مبارک بھی تھی۔ واپسی پر ابواء کے مقام پر آپؐ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ یوں آپؐ ابھی صرف چھ سال کے تھے کہ والدہ کے سایۂ شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب شروع سے ہی اپنے پوتے کو بہت چاہتے تھے۔ چناں چہ اب تو ایک لمحے کے لیے بھی اپنی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ اب آپؐ مکہ میں اپنے دادا کے پاس رہنے لگے۔ دو سال ہی گزرے تھے کہ دادا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس وقت آپؐ کی عمر 8 برس تھی۔ انتقال سے پہلے دادا جان آپؐ کو آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب کے سپرد کر گئے۔ چچا ابو طالب نے آپؐ کی سرپرستی اور خبرگیری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت ابو طالب آپؐ کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر پیار کرتے۔ ہر لمحہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے۔ ایک بار حضرت ابو طالب کو ملک شام جانا پڑا گیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر 12 برس تھی۔ جانے سے پہلے آپؐ اپنے چچا سے لپٹ گئے۔ آخر وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔

آپؐ بچپن میں بہت شرمیلے اور نیک فطرت تھے۔ طبیعت میں بچوں کی سی شوخی اور ضد نہ تھی۔ مکہ کے نوجوان میلوں، کھیل تماشوں، نیزہ بازی اور شاعری کے مقابلوں میں کھوئے رہتے تھے۔

لڑکے جب آپ کو اپنے تفریحی مشاغل میں شریک ہونے کے لیے بلاتے تو حضورؐ جواب میں ارشاد فرماتے: ”خدا نے مجھے کھیلنے کودنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔“ مگر آپؐ ہمیشہ ان چیزوں سے الگ تھلگ رہتے۔ آپؐ بولتے کم اور سوچتے زیادہ تھے۔ آپؐ کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپؐ کسی بات پر سوچ رہے ہوں۔

آپؐ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے۔ ہر وقت دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے سے سرشار رہتے۔ کسی بوڑھے آدمی کو کندھے پر بوجھ اٹھائے دیکھتے تو دوڑ کر اس کا بوجھ اٹھا لیتے۔ کسی اندھے کا ہاتھ تھام کر اس کو اس کی منزل تک چھوڑ آتے۔ ایک دن آپؐ کو ایک بوڑھا غلام پانی کی مشک اٹھائے نظر آیا۔ اس بوڑھے میں اتنی سکت نہ تھی کہ پانی کی یہ مشک اٹھا سکتا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دو قدم چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ چناں چہ آپؐ سے رہا نہ گیا، دوڑ کر مشک اٹھالی اور اس کے آقا کے گھر پہنچا کر آئے۔

ایسے ہی ایک دن دیکھا کہ ایک غلام آٹا پیس رہا ہے، مگر ساتھ روتا بھی جاتا ہے۔ آپؐ رک گئے اور اس سے پوچھا۔ ”رو کیوں رہے ہو؟“ تو وہ بولا۔ ”بیمار ہوں، آٹا پیسا نہیں جاتا۔ اگر آٹا نہ پیسا گیا تو ظالم آقا کوڑے مار مار کر کھال ادھیڑ دے گا۔“ آپؐ نے یہ سنا تو اس کے پاس بیٹھ گئے اور آٹا پیسنے لگے۔ پھر کہنے لگے۔

”تمہیں جب بھی آٹا پسوانے کی ضرورت ہو، مجھے بلا لیا کرنا۔“

آپؐ دوسروں کے کام آنے کو ترجیح دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری اور بے سہاروں کا سہارا بنتے۔ آپؐ میں یہ اوصاف بچپن ہی سے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ بچپن میں حد درجہ باوقار تھے۔ سوال کرنے سے نفرت تھی، باحیا تھے۔ آپؐ نے غیر مہذب لوگوں میں بچپن گزارا اس کے باوجود پاکیزہ تھے۔

پیارے بچو!

ضرورت اس بات کی ہے کہ بچے نبی رحمت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔ تاکہ ہماری زندگیاں اور مستقبل روشن ہو۔ ☆☆☆

مسٹر عین غین

محمد فاروق دانش

"رک جائیے صاحب!"

یہ جملہ سنتے ہی وہ چونک سے گئے اور ہونقوں کی طرح اپنے مخاطب کو دیکھنے لگے۔

اسے قسمت کی ستم ظریفی کہیے یا مسٹر عین غین کے حلیۂ مبارک کا کمال کہ انہیں آج بھی "دلہن شادی ہال" کے گیٹ ہی پر دھر لیا گیا۔ ان کے مرغ پلاؤ، روغنی قورمے، شیرمال اور رس بھری مٹھائی کھانے کے سہانے سپنے ان کے دل میں ہی تڑپ کر رہ گئے۔

تقریب کے منتظمین ان کی عمر کا احترام کرتے ہوئے بڑی عزت کے ساتھ شادی ہال کے دالان کی آخری سیڑھی پر اتارنے ان کے ہمراہ آئے اور ہاتھ جوڑ کر ان سے فوری چلے جانے کی منت کرنے لگے۔ گو شادی کے کھانے کی پر لطف ضیافت سے تو مسٹر عین غین محروم ہو ہی چکے تھے لیکن انہوں نے شادی کے منتظمین کی فیاضی اور عزت دیے جانے پر ناز کرتے ہوئے دوبارہ گھر کی راہ لینے کا ارادہ کیا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ ان کے ارمانوں کا حسین تاج محل تار تار ہو چکا ہے اور وہ ایک پر لطف ضیافت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ انہوں نے گھر جاتے ہوئے راستے میں الماری فروخت کرنے والے کی دکان کے سامنے ایک بار الماری کے دراز شیشے میں اپنے حسن و جمال کا دیدار کیا تو پہلی بار اپنے حلیہ مبارک پر خود ہی افسوس ہوا۔ اس ضیافت سے بے دخل کیے جانے کا ذمہ دار ان کا یہ حلیہ ہی تھا۔ انہوں نے عینک کے شیشے کو اوپر نیچے کر کے اپنے سراپے کا بہ غور جائزہ لیا۔ پھول دار بیل سے مزین لنڈے کی شرٹ کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے شرٹ کے ایک حصے کا نچلا پہلو اپنے تہبند میں دبا لیا تھا تا کہ لوگ اسے نئے فیشن کا حصہ تصور کریں۔ شرٹ پر نیچے پہنے ہوئے تہبند کا بھی تو جواب نہیں تھا۔ پھر ان کے پیر میں ایک جانب کالی چپل تھی تو دوسرے پیر میں گلابی۔ اس سارے معاملے میں بنیادی قصور تو مسٹر عین غین کی غربت کا تھا۔ ان حالات میں وہ جو بھی کھاتے، جو بھی پہنتے اس پر صبر شکر کر کے گزارا کر لیا کرتے۔

وہ کام کاج کی بڑی کوشش کرتے تھے لیکن انہیں کہیں مناسب روزگار ہاتھ نہیں آتا تھا۔ وہ مجبوراً اپنی گزر اوقات دوستوں، عزیزوں اور محلے داروں کے سہارے کر رہے تھے۔ تاہم وہ مخصوص ضیافتوں، لنگر، نیاز اور شادی بیاہ کی دعوتوں کو نعمت خداوندی تصور کر کے شریک ہو جاتے اور بڑی تکریم کے ساتھ ان ضیافتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ ان کے جان پہچان والے اور محلہ دار ان کی مجبوریوں کے

سبب ان ضیافتوں میں ذوق وشوق سے مدعو کرتے اور وہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ضیافت کا وقت قریب تر آنے کی دعائیں کرتے تھے۔ وہ ہر بار ضیافت میں کھانے کا نیا ریکارڈ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

یوں تو وہ کسی کام کے تصور نہیں کیے جاتے تھے لیکن چوں کہ شاعری کا فن انہیں ورثے میں ملا تھا اس لیے وہ اپنے 'دل فریب حلیے' کی مانند حسین اشعار سے ہر کسی کو لطف اندوز ہونے کا پورا پورا موقع فراہم کرتے۔

وہ کسی کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کے لیے کوئی نہ کوئی شعر داغ دیتے تھے۔ یوں ان کا یہ شاعرانہ مزاج اور حسین کلمات انہیں ہر جگہ ممتاز رکھے ہوئے تھا۔ لوگ کبھی ان کے حلیے کی تعریف کرتے تو کبھی ان کے دل فریب اشعار کی۔ اکثر دکان دار ان کے کہے ہوئے اشعار اپنی دُکانوں کی زینت بنانے کی تمنا کرنے لگتے تھے۔ لالو پکوڑے والے، رفیق کباڑی اور نخو حلوائی نے تو باقاعدہ جلی حروف میں ان سے کچھ اشعار اپنی دکانوں پر چسپاں کر لیے تھے جب کہ مُنا رکشے والے نے تو مسٹر عین غین کا کہا ہوا ایک شعر اپنے رکشے کی پیچھے جلی حروف میں لکھوا لیا تھا جسے پڑھ کر ہر کوئی مُنا سے اس مشہور شاعر کا پتا دریافت کرنے لگتے۔ اسے کیا کہیے کہ محض شاعری سے تو پیٹ نہیں بھرتا۔ بھلا 'واہ واہ' کی یلغار پیٹ کے ایندھن کو بجھا سکتی ہے؟ کیا وہ اپنے شوق کا گلا گھونٹ کر دل کے ارمانوں کا قتل کر دیتے؟ ایسا ممکن نہیں تھا۔ ان کو اگر لکھنے کو کچھ نہ ملتا تو وہ چائے کی پتی کے ڈبوں، سگریٹ اور مٹھائی کے ڈبوں پر اپنے حسین اشعار رقم کیا کرتے تھے تاکہ یہ 'اہم ترین ورثہ' ضائع نہ ہو جائے اور دل کے ارمان دل میں تڑپ کے نہ رہ جائیں۔

ان کے محلے کے اکثر لوگ انہیں مسٹر عین غین پاشا کے نام ہی سے پکارا کرتے تھے۔ بہت کم لوگ تھے جنھیں حسین اشعار کی اوٹ میں ان کے حسین نام یعنی علیم الدین ولد غیور الدین پاشا کا علم ہو۔ وہ تو بس مسٹر عین غین کی شاعری کے سحر میں مبتلا تھے۔ آج کل عین غین کو شک ہونے لگا تھا کہ ان کی قسمت کا ستارہ گردش میں ہے۔ وہ اپنی شرٹ کی جیب پر بار بار ہاتھ مارتے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ کچھ سکے شرٹ کی جیب سے برآمد ہو جائیں گے، وہ محلے کی جانب جانے والی سڑک ناپ رہے تھے۔ کئی دنوں بعد یہ ان کی یہ خود ساختہ ضیافت تھی جس سے لطف اندوز ہونے کا ارمان دل میں لیے وہ شادی ہال سے باہر نکل گئے تھے۔

اب وہ گھر کی طرف جا رہے تھے تو ڈھلتے سورج کی کرنوں کے ساتھ ان کے دل کی روشنیاں بھی بجھ رہی تھیں البتہ ان کے پیٹ میں جیسے کسی نے آگ لگا دی ہو۔ وہ بڑھتی ہوئی بھوک سے پریشان سڑک پر تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے ایک سنسان اور ویران سڑک سے گزرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ابھی وہ کچھ دور گئے ہوں گے کہ کچرے کے ایک ڈھیر کے قریب ایک بلند عمارت کی دیوار کے ساتھ انہیں ایک بریف کیس پڑا نظر آیا۔ وہ اس کی پراسراریت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوری رک گئے اور ارد گرد دیکھنے لگے۔ جب یہ اطمینان ہو گیا کہ کوئی انہیں نہیں دیکھ رہا تو انہوں نے وہ بریف کیس اٹھا لیا۔

وہ کچھ دیر کھڑے سوچتے رہے کہ اس میں خدانخواستہ کوئی بم وغیرہ ہو۔ انہوں نے بریف کیس کو کان کے قریب لے جا کر ہلکے سے ہلایا جلایا لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ اس بریف کیس کو اس طرح سر عام کھولنا مناسب نہیں۔ یوں اسی ویران سڑک کے ایک تاریک حصے میں جا کر انہوں نے بریف کیس کھولنے کی جسارت کی لیکن یہ کیا؟ چند لمحے کے لیے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور انہوں نے بریف کیس فوراً بند کر دیا۔ اپنے حواس بحال کرتے ہوئے بریف کیس کو دوبارہ کھولا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیوں کہ اس میں کڑک کڑک نوٹوں کے کئی پیکٹ موجود تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔

لیکن پھر اچانک اس صدمے سے نڈھال ہونے لگے کہ وہ اتنی ساری رقم کہاں سنبھال کر رکھیں گے؟ وہ سوچنے لگے کہ قدرت کو ان کے حال پر رحم آ گیا ہے اور یہ رقم ان کو انعام میں ملی ہے۔ اپنی حالت سدھارنے کے لیے انہوں نے اس رقم کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ یہ رقم لے کر ویران سڑک سے نکل کر کھلے بازار میں آ گئے۔ انہوں نے بریف کیس کے پیکٹوں میں سے ایک ہزار کا نوٹ نکال لیا تھا۔ وہ آج اپنے ارمانوں کو اوس زدہ نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔ ہر طرح کی چیزوں کی خریداری کی تمنا نے پہلے تو رنگ برنگی اشیاء کی دکان کی جانب انہیں کھینچا۔ ان کا دل پورا بازار خرید لینے کو چاہ رہا تھا لیکن پھر حسب توفیق ایک ٹھیلے پر رک کر دو

بنیان لیے۔ اس کے بعد ایک عدد جوڑی سینڈل خرید کر پیروں کی زینت بنائی۔ پھر وہ اطمینان اور فخر کے ساتھ چلتے ہوئے کھانے کی اشیا خریدنے لگے۔ پہلے چار انڈوں کا آملیٹ بنوا کر کھایا۔ جب وہ بھوک سے بے نیاز ہو گئے تو پورے رعب کے ساتھ اپنے گھر پہنچے اور بریف کیس محفوظ جگہ پر رکھ کر بستر پر دراز ہو گئے۔

گو کہ وہ اس اچانک اور معجزانہ عنایت پر قدرت کا شکر ادا کر رہے تھے لیکن وہ اس انجان خزانے کے ملنے پر بھی خوف زدہ تھے کہ وہ اس دولت کی رکھوالی کیسے کریں گے؟ اس خیال سے ان کی نیند اڑ گئی۔ وہ بار بار بستر سے اٹھ کر بریف کیس کھول کر اس میں رکھے نوٹ دیکھتے اور اطمینان کرنے کے بعد دوبارہ بستر پر دراز ہو جاتے...... لیکن نیند تھی کہ پر لگا کر اڑ گئی۔ وہ رات بھر بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ وہ حیران تھے کہ اس انداز سے تو کبھی انہوں نے اپنے قیمتی کلام کی بھی رکھوالی نہیں کی لیکن آج نوٹوں سے بھرا یہ بریف کیس ان کے لیے مسئلہ بن گیا تھا۔

یہ رات انہیں بار گراں معلوم ہونے لگی۔ وہ رات بھر اس بریف کیس کے بارے میں سوچتے رہے۔ ان کا دماغ ہل چل کا شکار ہو چلا تھا۔ وہ ایک منصوبہ بناتے اور اسے بدل دیتے۔ یوں ہی صبح ہو گئی۔ ان کا ذہن اب ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے ناشتے کی ضرورت محسوس کی اور نہ کچھ اور...... وہ اٹھے اور فوری بریف کیس تھاما، ساتھ ہی رات کو بازار سے خریداری ہوئی تمام اشیا ایک شاپر میں ڈالیں اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل دیے۔ راستے میں ان کے ایک محلے دار نے چائے نوش کرنے کی دعوت بھی دی لیکن وہ اس مہربانی کو فراموش کرتے ہوئے ایس ایس پی آفس جا پہنچے۔

مسٹر عین غین کی اس حیران کن ادا اور ہاتھ میں پکڑے بریف کیس کو دیکھ کر ان کے دوست اور مہربان حیران تھے لیکن مسٹر عین غین سے کچھ دریافت نہ کر سکے۔

ایس ایس پی صاحب کے سامنے انہوں نے اس بریف کیس کی روداد تفصیل کے ساتھ بیان کی اور رقم کو اس کے اصل مالک تک پہنچانے کے اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم شرمندہ ہیں صاحب! اپنی مجبوریوں کے سبب ہمارے دل میں لالچ آ گیا تھا۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے۔ "یہ رقم اس کے اصل مالک کو پہنچا دیں تو آپ کی مہربانی ہو گی۔"

ایس ایس پی نے ان کے جذبے کو سراہتے ہوئے ٹشو پیپر ان کے آگے کیا تو انہوں نے جھٹ تین چار ٹشو نکال کر مٹھی میں بھینچ لیے۔

"ایک ہزار کا سامان ہم نے اس رقم میں سے لیا تھا۔" وہ ٹشو سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

ایس ایس پی کے ایک اہلکار نے انہیں بتایا کہ گزشتہ رات ایک صاحب نے اپنا بریف کیس گم ہونے کی شکایت درج کرائی تھی۔ ایس ایس پی آفس کے ہیڈ کلرک نے مسٹر عین غین پاشا کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"آپ بے فکر ہو جائیں۔ ہم اس رقم کے مالک کو بلوا کر آپ سے بھی ملوائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی انعام شعام...."

"نہیں جناب! ہمیں انعام نہیں چاہیے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھے۔ "ہم تو بس یہ امانت لوٹانا چاہتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو گی، اسے اصل مالک تک پہنچا دیں۔" مسٹر عین غین نے کمال کی ایمان داری کا مظاہرہ کیا تو پولیس اہل کاروں نے ان کی ایمان داری کی تعریف کی۔ ایک پولیس اہل کار انہیں جانتا تھا، اس نے ان سے چند اشعار سنانے کی فرمائش کر دی۔ مسٹر عین غین کو کیا چاہیے تھا، وہ پولیس اہل کاروں کے ساتھ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اپنا کلام پیش کرنے لگے تو ایس ایس پی آفس میں موجود تمام افراد ان کی شاعری کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکے۔

آفس سے نکلتے ہوئے مسٹر عین غین خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے باہر آ کر بازار سے گزرتے ہوئے الماری والے کی دکان کے سامنے رک کر دراز شیشے میں اپنا جائزہ لیا۔ آج انہیں پہلی بار اپنے حلیے پر شرمندگی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ محلے میں ایک مفت کی ضیافت کھانے کے بعد جب اپنے بستر پر آئے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ کس وقت وہ نیند کی حسین وادیوں میں پہنچ گئے تھے۔ ان کے سر سے بوجھ جو اتر چکا تھا۔ ☆☆☆

اَلْمَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ
(بزرگی والا)

اَلْمَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ہے جو اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کے ذریعے بہت زیادہ احسانات کرنے والا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ بڑی بزرگی والے ہیں۔ ان کی بزرگی کے سامنے کسی کی بزرگی نہیں۔ جو مسلمان بچے یا بچی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بزرگی بیان کرے اللہ تعالیٰ اسے بغیر مانگے سب کچھ عطا فرما دیتے ہیں۔

اَلْمَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ
(بڑائی والا)

اَلْمَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ہے جو انتہائی بزرگی اور عظمت والا ہے۔

بچے اپنے دوستوں میں، بچیاں اپنی سہیلیوں میں بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اس کی تعریف اور بزرگی بیان کریں۔ اس طرح کے جملے بولیں:

"اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو پیدا کیا۔ یہ ساری کائنات اسی نے بنائی۔ وہی ہم سب کا مالک ہے۔ زمین سے غلے پیدا کیے۔ وہی آسمان سے بارش برساتا ہے۔ چرند، پرند، ہوا، پانی، آگ سب اس نے ہمارے لیے بنائے۔ اسی نے سورج، چاند، ستارے، زمین کا نظام بنایا۔

یہ ساری نعمتیں جو ہم استعمال کر رہے ہیں اسی نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہی عزت دیتا ہے اور وہی ذلیل کرتا ہے۔ ساری دنیا کی بادشاہت اسی کی ہے۔ اسی نے آسمان کو بغیر ستون کے بنایا ہے۔"

اس طرح کے بول ہم آپس میں بولیں اور سنیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بزرگی بیان کرتا ہے اسے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

بابرکت عبادت

عبداللہ آج عمرہ ادا کرنے کے بعد بہت خوش تھا۔ وہ پاکستان سے سعودی عرب عمرے کی ادائیگی کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہ نعمت اسے نہم جماعت میں ہی حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کر رہا تھا۔ مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کے بعد اب وہ مدینہ منورہ جا رہے تھے، تاکہ روضہ رسول ﷺ کی حاضری کی نعمت بھی حاصل ہو جائے۔

"روضہ رسول ﷺ جاؤ تو درود شریف پڑھتے ہوئے جانا۔"

اسے اپنی مسجد کے امام صادق صاحب کی بات یاد آئی، لہٰذا وہ درود شریف پڑھنے لگا:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔"

ابھی اس نے درود شریف مکمل کیا ہی تھا کہ اسے اپنے امام صاحب کی ہدایات پھر یاد آنے لگیں۔

"عبداللہ! درود شریف بڑی بابرکت عبادت ہے۔ یہ ہر حال میں قبول ہے۔ درود شریف کے شروع میں اَللّٰھُمَّ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں، یہ نام ان سب کے برابر ہے۔ اس کے ذریعے سے دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس کے سارے ناموں کو مانگ کر دعا کرنا اور پھر درود شریف کے آخر میں دو نام "حَمِیْدٌ" اور "مَجِیْدٌ" ہیں۔ ان دونوں ناموں میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور بزرگی آگئی کہ ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔"

یہ پیاری باتیں اور ہدایات یاد آتے ہی وہ بڑی توجہ اور عقیدت سے درود پاک پڑھنے لگا، پھر اس کے ذہن میں یہ حدیث بھی یاد آگئی جو انہوں نے اس کو سنائی تھی۔

"جب تم روضہ رسول پاک ﷺ پر پہنچو تو یہ حدیث ذہن میں رکھنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اسے خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔"

اس لیے خوب عقیدت سے پڑھنا، کیوں کہ تمہارے درود شریف کو حضور ﷺ خود سنیں گے۔

یہ باتیں یاد کرتا کرتا اب وہ روضہ رسول ﷺ کے بالکل سامنے تھا۔ وہ بڑی محبت اور عقیدت سے درود پاک پڑھنے لگا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں بہت سرور مل رہا تھا۔

۱۔ ہم اپنی مجلسوں میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بڑائی اور بزرگی کے بول بولیں اور سنیں، جس طرح ہم نے تشریح میں بتایا ہے۔ جو چیز ہمیں بڑی دکھائی دے تو اس وقت یہ سوچیں کہ اسے یہ مرتبہ بھی تو اسی اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔

۲۔ حضور ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں۔ بچے کے دن کم از کم تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہیے۔ درود شریف ہر ایک پڑھ سکتا ہے۔

ذیل میں ایک مکمل اور مختصر درود پاک ذکر کیا جاتا ہے، اسے آپ آسانی سے یاد بھی کرلیں گے۔ وہ درود شریف یہ ہے:

"صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ"

☆☆☆

"میں کاغذ ہوں" کا بقیہ حصہ

کا پیپر کاپی، رجسٹروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ براؤن یا خاکی کاغذ کو بکس پلانٹ Box plant پر منتقل کیا جاتا ہے وہاں مختلف قسم کے box بنائے جاتے ہیں مثلاً فریج کی سیفٹی والا بکس، سگریٹ، چائے، دوائیوں کی حفاظت والی ڈبیاں بنائی جاتی ہیں۔ رولرز rollrs کی مدد سے ان پر سلوٹیں بھی ڈالی جاتی ہیں۔ میری بنی شیٹس کو براؤن کاغذ سے لپیٹا جاتا ہے۔ اس پر وزن، گرامیج، سائز کے اسٹیکرز لگائے جاتے ہیں پھر میری ڈیمانڈ کے مطابق مجھے ٹرکوں، کنٹینروں، منی ٹرکوں کے ذریعے لاہور، کراچی، فیصل آباد، حیدر آباد، اسلام آباد، پشاور بھیجا جاتا ہے۔ وہاں پھر میرے جصے بخرے کیے جاتے ہیں۔ مجھ پر لائنیں، حاشیے اور پرنٹنگ وغیرہ کی جاتی ہے۔ مجھے سب سے زیادہ فخر تب ہوتا ہے جب مجھ پر قرآن و حدیث پرنٹ کی جاتی ہے۔ اس وقت پاکستان میں پیکجز بلھے شاہ قصور، سنچری پیپر اینڈ بورڈ مِلز، علی پیپر ملز، منڈیالی پیپر اور بہت سی چھوٹی فیکٹریاں دن رات مجھے بنانے میں مصروف ہیں۔ میرا استعمال دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب تو پرنٹر، فوٹو کاپی مشینوں پر بھی بہت استعمال ہوتا ہوں۔ میری ابتدا کاٹی توڑی اور روئی سے شروع ہوتی ہے۔ لمبے چوڑے پروسیجر سے ہوتا ہوا کاغذ بنتا ہوں۔ مجھے بار بار پھینٹا جاتا ہے گرم رولروں، اسٹیم پر بنایا اور خشک کیا جاتا ہے۔ بار بار کاٹا جاتا ہے مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوتی کیوں کہ مجھے آپ کی خدمت اور پڑھائی لکھائی کے لیے بنایا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت بہت تکلیف ہوتی ہے۔ جب مجھے پھاڑ کر جہاز، کشتیاں، چڑیا وغیرہ بنائی جائیں یا ٹیڑھی میڑھی لکیریں لگائی جائیں یا کارٹون بنائے جائیں یا پھاڑ کر کوڑا دان (Dust bin) میں پھینک دیا جائے اس وقت میرے آنسو نکل آتے ہیں۔

پیارے بچو! آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھ پر ہوم ورک، نوٹس ورک کے علاوہ کچھ نہیں لکھیں گے اور نہ ہی مجھے پھاڑ کر کوڑا دان میں پھینکیں گے۔" وعدہ...... پکا وعدہ۔

آپ حیران نہ ہوں آپ کا یہ پرچہ "تعلیم و تربیت" بھی سنچری پیپر اینڈ بورڈ مِل میں بنائے گئے پیپر سے شائع ہوتا ہے۔

رات کا اندھیرا چہار سو پھیل چکا تھا۔ ہر طرف خوف ناک اور پراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسے میں گاؤں کے قریب سے گزرنے والی سڑک پر بس رکی۔ اس میں سے ایک خوش شکل اور دراز قد بیس سالہ نوجوان باہر نکلا اور اپنا سفری بیگ کاندھے پر ڈالا اور گھر جانے کے لیے تانگے کی تلاش میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ ہول ناک سناٹا چہار سو پھیلا تھا۔ رات کے اندھیرے میں درختوں پر بھوتوں کا گمان ہوتا، اسے قوی یقین تھا کہ وہ شام سے پہلے گاؤں پہنچ جائے گا۔ وہ اپنے گھر والوں کو سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ وہ دو سال قبل شہر گیا تھا۔ اس نے پولیس کے محکمے میں دیے گئے امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس کی ٹریننگ حاصل کی۔ اب جب کہ وہ اپنی ٹریننگ بھی مکمل کر چکا تھا۔ پولیس جوائن کرنے سے پہلے اسے ایک ماہ کی چھٹیاں ملی تھیں۔ وہ اسے اپنے گاؤں میں گزارنی تھیں۔ اس کی گھر والوں سے ملنے کی بے چینی دیدنی تھی۔ لیکن راستے میں بس کی خرابی کی بدولت وہ 9 بجے گاؤں پہنچا تھا۔ اس وقت اسے وہاں اپنے علاوہ کوئی ذی روح نظر نہ آیا۔ ایسے میں تانگہ ملنا محال تھا۔ اسے بنا اطلاع کیے گاؤں آنے پر افسوس ہوا۔ ماحول میں عجیب سی ہول ناکی اور سناٹا تھی۔ ایک دم وہ خود ہی گھبرا گیا۔ لیکن یہ گھبراہٹ کچھ لمحوں بعد ختم ہو گئی۔ خیر تانگہ تو نہ ملا اس نے خود ہی گاؤں کے اندر کھیتوں سے گزرنے والی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ ابھی وہ بہ مشکل پانچ منٹ کی مسافت پر ہی چلا ہوگا کہ اس کو اپنے دائیں جانب کھیتوں میں ہل چل سی محسوس ہوئی۔ وہ بے حد حیران ہوا کہ اس وقت تو گاؤں کے لوگ سو جاتے ہیں۔ کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو اس اندھیری رات میں کھیتوں میں ہوگا کیوں کہ ہوا کا تو نام و نشان نہ تھا کہ اسے لگتا کہ ہوا سے کھیت ہل رہے ہیں۔ وہ اسے نظر انداز کر کے پھر سے چلنا شروع ہو گیا۔ پیچھے جہاں بس آ کر رکی تھی وہاں ایک مدھم سا بلب لگا تھا۔ جس کی مدد سے وہ تھوڑا سا راستہ طے کر پایا تھا۔ اب آگے کوئی بلب نہ تھا۔ اس لیے اس کو اپنی جیب سے موبائل نکال کر ٹارچ آن کرنا پڑی اور ٹارچ کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا۔ ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ اسے ایسے لگا کہ جیسے اس کے پیچھے پیچھے کوئی آ رہا ہے، اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کو وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے اپنا وہم جان کر پھر سے چلنا شروع کیا۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ اس کے اپنے قدموں کی آواز بھی ماحول میں خوف ناکی مزید بڑھا رہی تھی۔ اچانک فضا میں ایک نسوانی چیخ گونجی۔ ایک دم گھبرا کے وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اب کی بار تو اس کو خوف سے پسینہ بھی آ گیا تھا۔ حالاں کہ بہادر تو وہ تھا ہی لیکن اس طرح کی صورت حال سے

پہلی دفعہ دوچار ہوا تھا۔ ابھی وہ اس کیفیت سے نکلا ہی تھا کہ اس کو کھیتوں میں بہت سے لوگوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جو لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ احمد کا دل خوف سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔

......☆......

"احمد کے ابا میرا آج دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میرا احمد خیریت سے ہو۔ مجھے سکون نہیں ہے۔" رحمت بی بی نے کمرے میں لالٹین کی دھیمی جلتی بجھتی لو میں چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "او بھلیے لوکے، کچھ نہیں ہوتا۔ احمد ٹھیک ہی ہو گا۔ بس آ جائے گا کچھ دنوں میں۔" شفیق صاحب رحمت بی بی کو دلاسا دیتے ہوئے گویا ہوئے۔

"اللہ خیر کرے۔" رحمت بی بی دعا مانگتے ہوئے رو پڑیں۔ ان کی حالت دیکھ کر شفیق صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ وہ بھی دل ہی دل میں احمد کے خیریت سے ہونے کی دعا کرنے لگے۔

قدموں کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ احمد کے تو سارے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس نے بھی بنا پیچھے دیکھے بھاگنا شروع کر دیا۔ تیز تیز بھاگنے کے باوجود ان لوگوں کے قدموں کی آوازیں قریب ہوئے جا رہی تھیں اور اس کے ہوش و حواس جیسے کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔ اندھا دھند بھاگنے کے بعد وہ گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی رکا اور دھڑا دھڑ دروازہ پیٹنے لگا۔ وہ لوگ جن کی اندھیرے کے سبب شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کے سر پر پہنچنے ہی لگے تھے کہ دروازہ کھلا اور اس کو اندر کھینچ کر فوراً دروازہ بند کر لیا گیا۔

......☆......

"او بھلیے لوکے! کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ رب پہ یقین رکھو ہمارا احمد بالکل خیریت سے ہو گا اور خیریت سے ہی گھر آئے گا۔" شفیق صاحب رحمت بی بی کو مسلسل روتے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ اتنے میں انہیں دھڑا دھڑ بیرونی دروازہ پیٹنے کی آواز آئی۔ کوئی ایسے دروازے کو پیٹ رہا تھا جیسے توڑ کر اندر آنا چاہ رہا ہو۔ جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچے انہیں احمد کی آواز آئی۔ انہوں نے جھٹ سے دروازہ کھولا اور احمد کو تقریباً کھینچتے ہوئے اندر کیا اور فوراً دروازہ بند کر دیا اور احمد اندر آتے ہی بے ہوش ہو گیا اور لڑکھڑا کر گرنے ہی لگا تھا کہ شفیق صاحب نے اسے تھام لیا اور کاندھے پر ڈال کر کمرے میں لے گئے اور چارپائی پر ڈال دیا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نہ میرا دل ایسے ہی نہیں گھبرا رہا تھا۔" رحمت بی بی احمد کو دیکھتے ہی بولنا شروع ہو گئیں۔

"تم تو چپ کرو اور جاؤ پانی لے کر آؤ۔"

شفیق صاحب احمد کی گال کو تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ پھر پانی کے چھینٹے احمد کے منہ پر مارے۔ آہستہ آہستہ احمد کی حالت سنبھلنے لگی تھی۔ جاؤ احمد کی ماں کھانا لے کر آؤ احمد کے لیے۔ "ہاں بیٹا! اب بتاؤ تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم رات کے وقت گاؤں آؤ۔ اور وہ بھی بنا کسی اطلاع کے۔" بی بی جان کے کمرے سے نکلتے بابا جان شروع ہو گئے۔ بابا جان میرے ساتھ ایک بہت ہی حیران کن واقعہ پیش آیا۔ احمد بابا جان کی بات کا جواب دینے کی بجائے واقعے کی روداد سنانے لگا۔ شفیق صاحب پوری روداد سننے کے بعد بولے۔ "بیٹا تم کھانا وغیرہ کھاؤ پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔ فون پر اس لیے نہیں بتاتا تھا کہ کہیں تم پریشان ہو کر اپنی ٹریننگ چھوڑ کر یہاں نہ آ جاؤ اس لیے ہم نے یہ بات تم سے چھپائی۔" "بابا جان آپ لوگ اتنی پریشانی والی زندگی گزار رہے اور میں وہاں کیسے آرام سے رہ سکتا تھا۔" احمد ناراضی سے بولا۔ اتنے میں احمد کے لیے بی بی جان کھانا گرم کر کے لے آئیں تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد ماں جی برتن رکھنے چلی گئیں اور وہ ابا جان کی طرف متوجہ ہوا۔ شفیق صاحب اس کی آنکھوں میں امڈ آنے والے سوالوں کو دیکھ کر گہری سانس بھرتے ہوئے بولے۔ "بیٹا یہ جو لوگ تمہارے پیچھے لگے تھے۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ان لوگوں کو یہاں گاؤں میں آئے تقریباً ایک سال ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کی وجہ سے گاؤں میں بہت ہی زیادہ خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ گاؤں کے لوگ سارا دن اپنا کام کرتے ہیں اور مغرب ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شام کو اپنے گھر سے باہر نکل جائے تو وہ لوگ اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اگر کوئی ان لوگوں کا کھوج لگانے کی کوشش کرے تو پتا بھی نہیں چلتا وہ کب اور کیسے غائب ہو جاتا۔ چار لوگ تو اسی کام میں مارے بھی گئے ہیں۔ اس وجہ سے اب گاؤں میں کوئی بھی ان کے خلاف جانے کا سوچتا بھی نہیں ہے۔ اس گاؤں سے باہر جانا بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کوئی باہر کا بندہ اس گاؤں میں قدم رکھتا ہے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ تم خیریت سے آ گئے ہو لیکن بیٹا اب انہوں نے گھر دیکھ لیا ہے تو وہ ضرور دوبارہ

آئیں گے۔ بہتر ہے کہ اب تم محتاط ہو کر رہنا۔" اب کے شفیق صاحب نہایت فکرمندی سے گویا ہوئے۔ "بابا جان اس مسئلے کا کوئی تو حل ہو گا۔ ہم ایسے تو ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہیں بیٹھ سکتے۔" احمد پُرسوچ انداز میں گویا ہوا۔

"نہ بیٹا! تم سوچنا بھی نہ اس بارے میں۔ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو۔ ہم میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے، تمہاری جاب لگ گئی ہے، تھوڑے حالات بہتر ہوں گے تو ہم سب شہر شفٹ ہو جائیں گے۔ بہتر ہے تم اس سے دُور رہو۔" شفیق صاحب نے سختی سے تنبیہہ کی۔ "لیکن بابا میں اپنے گاؤں والوں کو مشکل میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں گاؤں والوں کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلاؤں گا۔" "ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری مرضی۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" شفیق صاحب نے احمد کے پُرعزم ارادے کے سامنے ہار مان لی۔

احمد اپنے کمرے میں آ گیا۔ پلنگ پر لیٹتے ہوئے بھی وہ اس مسئلے کا حل سوچ رہا تھا۔ "خیر صبح دیکھیں گے۔" یہ کہہ کر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا اور جلد ہی گہری نیند کی وادی میں اتر گیا۔

☆......☆

اگلی صبح بہت ہی خوش گوار تھی۔ موسم بھی سہانا تھا۔ اندھیری رات کے بعد اگلی صبح بہت ہی روشن تھی۔ سورج کی تپش کے ساتھ ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔ جو سورج کی تپش کو کم کیے دیتی تھی۔ چرند پرند بھی اپنے گھونسلوں سے نکل کر اپنی روزی کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ احمد نے نہا دھو کر ماں جی کے ہاتھوں کا مزے دار پراٹھا اور آملیٹ کھایا اور میٹھی لسی پی۔

گاؤں کے لوگ بہت ہی پریشان حال اور ڈرے سہمے تھے۔ کوئی خوشی یا اعتماد کی روشنی ان کے چہروں پر نظر نہ آتی تھی۔ احمد کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ وہ ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ ان کی خوشیاں ان کو لوٹانا چاہتا تھا۔ وہ پھر سے ان کے بارے میں سوچنے لگا۔ رات کے کھانے پر اس نے بابا جان سے پوچھا۔ "بابا جان! آخر وہ کون لوگ ہیں اور چاہتے کیا ہیں۔ کیوں انہوں نے گاؤں میں اتنا خوف پھیلایا ہوا ہے۔" احمد نے یکے بعد دیگرے کئی سوالات کر ڈالے۔

"بیٹا! ان کی شکل تو آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ بس یہ ہے کہ وہ لوگ اگر گاؤں میں آئیں بھی تو وہ سر سے پاؤں تک سفید ہوتے ہیں، انہوں نے سفید چغے پہنے ہوتے ہیں اور منہ پر ماسک لگایا ہوا ہوتا ہے۔"

"اوہ اچھا اس کا مطلب ہے کہ وہ جو بھی ہیں بہت سوچ سمجھ کر یہ کر رہے ہیں۔" احمد پُرسوچ انداز میں گویا ہوا۔ احمد اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے اپنے دوست احسن کو فون کیا۔ جو اس کے ساتھ ہی پولیس ٹریننگ میں تھا۔ اس کے علاوہ دو چار دوست تھے۔ وہ چاروں پولیس ٹریننگ میں ماہر ہو چکے تھے۔ احمد نے احسن کو فون کیا اور اسے یہاں کی ساری صورت حال کے بارے میں بتایا اور ضروری سامان بھی ساتھ لانے کو کہا مزید کہ وہ لوگ دھیان سے اور خود کو بچا کر آئیں۔ "ہاں اور تم لوگ کل صبح ہی نکل جانا تاکہ شام ہونے سے پہلے گاؤں پہنچ جاؤ۔ او کے ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر احمد مطمئن ہو گیا۔

☆......☆

کینٹے میں بیٹھے وہ تینوں دوست کولڈ ڈرنک اور برگر سے بھرپور انصاف کر رہے تھے۔ جب ان میں سے احسن کا موبائل بجا اور احمد کی کال آنے کا باقیوں کو بتا کر اس نے فون اٹھایا اور جو احمد نے اس کو بتایا تھا۔ اس نے بلال اور شہزاد کو بھی بتایا۔ ان دونوں نے بھی جوش اور ولولے سے جانے کی حامی بھری۔ اگلے دن تینوں جانے کی تیاری کرنے لگے۔ صبح ہی وہ لوگ تیار ہو کر گاؤں کے لیے نکل پڑے۔ وہ دن کی روشنی میں ہی جلد از جلد پہنچ جانا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ صبح کے دس بجے ہی گاؤں جانے والی بس میں سوار ہو گئے۔

احمد، احسن کو فون کرنے کے بعد سیدھا ماں جی کے پاس آیا تھا۔ کیوں کہ اسے ماں جی کو اپنے دوستوں کی آمد کا بتا کر ان کے رہنے کا بندوبست کرنا تھا۔ "ٹھیک ہے بیٹا! میں اوپر چھت والا کمرہ صاف کر دوں گی۔" ماں جی دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ اس لیے مصروف انداز میں گویا ہوئیں۔ اب احمد کو بس یہ فکر تھی کہ وہ لوگ خیریت سے آ جائیں۔ اتنا تو یقین تھا کہ وہ ان سے بچ کر آ جائیں گے۔ کیوں کہ ماہرانہ ٹریننگ کا ثبوت جو دینا تھا۔ احمد سوچ کر مسکرایا اور گاؤں کے اطراف کا جائزہ لینے کے لیے گھر سے نکل پڑا۔

احسن، بلال اور شہزاد گاؤں کے خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جب کنڈیکٹر نے ان کے مطلوبہ گاؤں کی آواز لگائی۔ وہ تینوں اپنے اپنے بیگ اٹھا کر بس سے باہر نکلے۔ دن ڈھلنے میں تھوڑا ہی وقت تھا۔ سورج کی زرد کرنوں سے کھیتوں میں کھڑی فصلیں چمک رہی تھیں اور بے حد خوب صورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔ جس نے موسم کو خوش گوار بنایا ہوا تھا۔ "یار جتنی احمد نے گاؤں کے بارے میں خوف ناک باتیں بتائی ہیں۔ گاؤں کو دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے کہ اس میں ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔" بلال اپنے بیگ کو دوسرے کاندھے پر منتقل کرتے ہوئے بولا۔ "ہاں یار چلو جلدی چلیں اس سے پہلے کہ اندھیرا ہو جائے۔" احسن آگے کھیتوں میں بنی سڑک پر تیز تیز قدموں سے گام زن ہوا اور اس کی تقلید میں وہ دونوں بھی چل پڑے۔ تھوڑی مسافت کے بعد ان کو کسی کی نظروں کا بھرپور ارتکاز محسوس ہوا۔ وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ انہوں نے دور کھیتوں میں بنے ڈیروں میں موجود تین آدمیوں کو مسلسل اپنی طرف گھورتے دیکھا۔ "یار یہ تو مجھے کوئی خطرناک بندے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہوں جو احمد کے پیچھے بھاگے تھے۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" احسن ان دونوں کو خبردار کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہاں یار جلدی چلو۔"

شام کا اندھیرا آہستہ آہستہ چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ وہ تینوں لمبے لمبے ڈگ بھرتے جا رہے تھے۔ سامنے کے کھیتوں سے دو آدمی نکل کر ان کی جانب لپکے اور وہ ہڑبڑا کر رک گئے اور اپنے ہاتھوں کی گرفت اپنے بیگوں پر مضبوط کر لی اور آگے بڑھ کر ان کے سائیڈ سے نکل کر دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں بچے کھچے آدمی بھی ان کے پیچھے بھاگنا شروع ہو گئے۔ ایک آدمی رفتار میں دوسرے سے تیز تھا۔ وہ جلد ہی بلال اور شہزاد تک پہنچ گیا اور ان کے کاندھوں پر لٹکتے بیگ کھینچے وہ دونوں بوکھلا کر گرتے گرتے بچے۔ ان کے بیگ اس آدمی کے ہاتھ میں ہی رہ گئے اور یہ دونوں بھی بھاگتے ہوئے احسن کے بالکل برابر پہنچ گئے اور پھر گاؤں کی آبادی میں جا کر ہی رکے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے پُرسکون سانس خارج کی اور ارد گرد دیکھا۔ سب لوگ تقریباً اپنے گھروں میں جا چکے تھے۔ بس اِکا دُکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ احسن نے ایک آدمی کو روک کر احمد کے گھر کا پوچھا۔ تو وہ پتا سمجھا کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں احمد کے گھر میں چائے اور دیسی گھی سے بنی ہوئی مٹھائی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ احمد انہیں اپنے گھر کے باہر ہی مل گیا تھا۔ ان سے بڑی محبت بھرے جوش سے ملا اور گھر جا کر اپنے اماں اور ابا جان سے ملوایا۔ پھر چائے اور کھانے سے فارغ ہو کر وہ انہیں اوپر چھت پر بنے بڑے کمرے میں لے آیا اور ان سے ان کے سفر کا تفصیلی احوال پوچھا۔ شہزاد نے ساری روداد احمد کو بتائی۔ اس کا مطلب جن لوگوں نے گاؤں میں...... (بقیہ: آئندہ شمارے میں)

"میرا خیال ہے یہ سیڑھیاں اوپر باورچی خانے میں جاتی ہیں، اوپر جانا اب خطرناک نہیں ہے۔ کیا خیال ہے؟ احتیاط کرنی چاہیے تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے کیوں کہ پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

معاذ نے کہا۔ "میں اوپر چڑھ کر احتیاط سے دروازہ کھولتا ہوں اور سنتا ہوں کہ وہاں کوئی ہے تو نہیں۔" یہ کہہ کر وہ گیا لیکن صغیر وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا اور چچی بھی وہاں نہیں تھیں۔ باورچی خانہ بالکل خالی تھا۔ دونوں لڑکے اوپر چڑھے، باہری دروازے پر آئے اور پہاڑی راستہ اترنے لگے۔ انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ طارق کہنے لگا۔ "لڑکیاں پریشان ہو رہی ہوں گی کہ ہم پر کیا بیتی ہوگی؟" اس کو اچانک تزئین اور نایاب یاد آئیں جو بڑے صبر سے لڑکوں کا انتظار کر رہی تھیں، اسی غار کے سوراخ کے پاس جہاں لڑکے پھسلے تھے۔ وہ بولا۔ "آؤ ان کو حیران کرتے ہیں، وہ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم اسی راستے سے واپس آئیں گے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ہم ادھر سے بھی آ سکتے ہیں۔" وہ دوبارہ چٹانوں سے گھرے ہوئے ساحل سمندر پر پہنچے اور صبح والی غار میں گئے۔ دونوں لڑکیاں ابھی سوراخ کے کنارے ہی بیٹھی تھیں اور ان کے درمیان بڑی شد و مد سے گفتگو جاری تھی کہ وہ کیا کریں۔ نایاب کہنے لگی۔ "ہمیں اب اسی وقت کسی کی مدد لینی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ لڑکے کسی مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔" معاذ کو دوبارہ وہی بڑی اسٹار فش نظر آ گئی جس کی وجہ سے ساری مصیبت شروع ہوئی تھی۔ بڑی خاموشی سے اس نے اسٹار فش کو اٹھا لیا۔ پھر دبے پاؤں وہ کائی زدہ غار میں بے چاری تزئین کے پاس پہنچا۔ اس نے اسٹار فش اس کے بازو پر رکھ دی جو بازو پر بڑے خوف ناک انداز میں رینگنا شروع ہوئی۔ تزئین ایک چیخ مار کر اچھلی جو کیکی کی چیخ سے بھی خوف ناک تھی اور بولی۔ "معاذ! تم جانور ہو، کیسے واپس آ گئے۔ اب ٹھہر جاؤ، میں تمہیں پکڑ لوں تو تمہارے سر کے تمام بال نہ نوچے تو مجھے تزئین نہ کہنا۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔"

سخت غصے کے عالم میں تزئین نے معاذ کو پکڑنے کے لیے چھلانگ لگا دی جو غار سے نکل کر باہر دوڑ رہا تھا۔ وہ اس وقت ریتلے ساحل پر دوڑتا ہوا کچھ گنگنا بھی رہا تھا۔ وہ اس کے بارے میں بہت پریشان رہی تھی۔ اب وہ پیار سے اسے بار بار پوچھ رہی تھی۔ "طارق بھیا! تمہیں کیا ہوا تھا؟ میں نے تمہارا بہت شدت سے انتظار کیا اور مجھے بتاؤ تم کس راستے سے واپس آئے اور وہ خفیہ راستہ کہاں تک جاتا ہے؟" تزئین اور معاذ کے چیخنے چلانے اور لڑنے سے اتنا شور ہو رہا تھا کہ طارق کے لیے جواب دینا

مشکل ہو رہا تھا اور اس شور میں کیکی بھی مزید شور کرنے کے لیے شامل ہو گیا تھا۔ اب وہ اس طرح کی آوازیں نکال رہا تھا جیسے کوئی ریل گاڑی کسی سرنگ میں سے گزر رہی ہو۔ اب تزئین اور معاذ کے درمیان خاصی مزے کی جنگ جاری تھی۔ ناراض تزئین نے بھائی کو پکڑ لیا تھا اور اپنی پوری طاقت سے بھائی پر گھونسے برسا رہی تھی۔ "میں اسٹارفش پھینکنے کا بدلہ لوں گی، تم کو بہ خوبی علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ میں تمہارے بال نوچ لوں گی۔" معاذ پھر تزئین سے چھوٹ گیا اور بھاگ نکلا۔ تزئین کی مٹھی میں بھائی کے سر کے تھوڑے سے بال ضرور رہ گئے۔ تزئین اب باقی دوستوں سے بھی ناراض تھی۔ وہ ان سے اپنی تمنا کا اظہار کر رہی تھی۔ "وہ بہت بُرا ہے، میں اس سے نہیں بولوں گی۔ میری خواہش ہے کہ کاش وہ میرا بھائی نہ ہوتا۔" عتریق بولا۔ "وہ صرف مذاق کر رہا تھا۔" عتریق کی اس بات سے معاملہ اور بھی خراب ہو گیا۔ تزئین مزید ناراض ہو گئی۔ نایاب اس کے چہرے پر غصے کو دیکھ کر پریشان تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے بھائی کا دفاع کرے گی، اگر تزئین اس کے بھائی کی طرف بڑھی۔ "اب میرا تم دونوں سے بھی کوئی تعلق نہیں۔" یہ کہہ کر تزئین ناراضی سے وہاں سے چل دی۔

عتریق نے کہا۔ "تزئین اب وہ سارا قصہ سننے سے قاصر رہے گی جو کارنامہ وہ صبح سے اب تک انجام دے چکے ہیں۔ یہ اسٹارفش کتنی بڑی ہے لیکن نایاب ہم تمہیں سب کچھ بتائیں گے۔ ہم واقعی ایک زبردست کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔" تزئین جو اب سخت غصے میں وہاں سے جا رہی تھی، اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے خفیہ راستے کے بارے میں بالکل ہی نہیں پوچھا اور یہ دونوں لڑکے کس راستے سے واپس لوٹے ہیں، وہ الٹے پاؤں واپس لوٹ آئی۔ اس نے دونوں لڑکوں اور نایاب کو ایک ساتھ دیکھا۔ جب وہ لوٹی تو معاذ نے منہ پرے کر لیا لیکن تزئین کا رویہ برسات کے موسم کی طرح بدلتا رہتا تھا اور اس کا رویہ ٹھیک ہونے میں بھی وقت نہیں لگتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔ "مجھے معاف کر دو معاذ! اب مجھے ذرا خفیہ راستے کے بارے میں بتاؤ کہ تم دونوں کے ساتھ کیا ہوا۔ مہربانی فرما کر جلدی سناؤ، میرا سننے کو بہت دل کر رہا ہے۔" اب امن دوبارہ قائم ہو چکا تھا، جلد ہی دونوں لڑکیاں سن رہی تھیں اور لڑکے انہیں سارے دن کی کہانی سنا رہے تھے۔ عتریق نے کہا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" لڑکے سنا تو رہے تھے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ آگے ان کے مستقبل میں کیا لکھا ہے۔

اجنبی کشتی

لڑکیاں کسی طرح بھی خفیہ راستے سے جانے کے لیے تیار نہیں ہوئیں حالاں کہ لڑکوں نے لاکھ کوشش کر لی۔ وہ اندھیرے سے گزرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں حالاں کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بڑا حیرت انگیز سفر ہے لیکن پھر بھی انہیں ایک اندھیری بل کھاتی سرنگ سے رینگ کر گزرنا ہرگز پسند نہیں تھا۔ معاذ بولا۔ "اصل میں تزئین ڈرتی ہے کہ پھر کوئی اسٹارفش اس کے بازو پر نہ رینگنے لگے اور نایاب تو ہمیشہ اپنی سہیلی ہی کی طرف داری کرتی ہے۔" اس طرح کے طعنے بھی لڑکیوں کو خفیہ راستے سے گزرنے کے لیے تیار نہ کر سکے لیکن وہ خفیہ راستے کے بارے میں ہر وقت سننے کو تیار تھیں۔ لڑکے اگلے دن پھر تہہ خانے میں جا پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ صغیر نے ایک دفعہ پھر بڑے سامان کے ڈبوں کو دوسرے دروازے کے آگے رکھ دیا ہے اور اب وہ دروازہ آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی لیکن صغیر اکثر ایسی فضول حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیوں کہ ان کے پاس چابی تھی جو بہت اہم چیز تھی۔ موسم آج خنک اور سہانا تھا۔ نیلے آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔ سب ساحلِ سمندر پر جا نکلے۔ جلد ہی گرمی سے ان کا برا حال ہو گیا۔ معاذ، اور عتریق نے سمندر میں تیراکی کی۔

عتریق خاموش تھا، وہ مبہوت ہو کر سمندری پرندوں کو دیکھ رہا تھا جو ہزاروں کی تعداد میں ساحلِ سمندر آئے تھے۔ وہ پرندوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا، اسے نایاب کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ اس بات سے نایاب مایوس تھی۔ اس نے اپنی بہن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "پرندے بھی مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن نایاب وہ مجھے مکمل طور پر نہیں جانتے۔ تم اپنی سہیلی کے ساتھ کھیلو کیوں کہ اگر ہم دونوں بہن بھائی علیحدہ رہے تو یہ بدتمیزی ہو گی اور تزئین اور معاذ کیا سوچیں گے۔" اب ویسے بھی نایاب، عتریق کا ہر وقت سایہ بنے نہیں رہتی تھی اور دوسروں کے ساتھ بھی وقت گزارنے لگی

تھی لیکن وہ اکثر جانتی تھی کہ حریق کہاں ہے اور جب اس کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ اس کی راہ دیکھ رہی ہوتی۔ ترئین کو وہ بے وقوف لگتی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آیا تھا کہ وہ معاذ کا اس طرح خیال کرے گی۔ وہ نایاب کو بتاتی۔ "میں تو اس وقت خوش ہوتی ہوں جب وہ میرے کام میں روڑے نہیں اٹکاتا۔ وہ مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ پچھلے سال میں تو ڈر کر پاگل ہوگئی تھی جب اس نے دو کیکڑے میرے تکیے میں ڈال دیے تھے اور وہ ساری رات میرے بستر میں کلبلاتے رہے۔" نایاب کو بھی یہ سن کر گھن آنے لگی لیکن اب تک وہ معاذ اور اس کی شرارتوں سے مانوس ہو چکی تھی۔ کل وہ بڑے دوست قسم کے کیکڑوں کی باری تھی لیکن جب وہ حادثاتی طور پر ایک کیکڑے پر بیٹھ گئی اور اس نے نایاب کو چٹکی کاٹی تو نایاب کو معلوم ہوا کہ کیکڑے سمندر کے اندر ہی اچھے لگتے ہیں۔

ترئین نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ کم از کم حریق اپنے ساتھ کیکی کو تو رکھتا ہے جب وہ سمندری پرندوں کو دیکھنے جاتا ہے۔ مجھے کیکی بہت پسند ہے لیکن جب سے اس نے سمندری پرندوں کی آوازوں کی نقل کرنا شروع کی ہے، مجھے لگتا ہے وہ پاگل ہوگیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ چچی جان اور کیکی کی اتنی گہری دوستی کیسے ہوگئی ہے۔" واقعی چچی جان پرندے کی شیدائی ہو چکی تھیں، وہ بہت چالاک توتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ آہستگی سے کہے گا، بے چاری چچی تو وہ کھانے کی پسندیدہ چیز چچی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس دفعہ چچی سے صغیر کو خاصی جھڑکیاں سننی پڑی تھیں، جب وہ کار پر خریداری کے لیے گیا تھا اور واپسی پر پرندے کے کھانے کے بیج بھول آیا تھا۔ اس کو جھڑکیاں پڑتے دیکھ کر بچے خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے لیکن چچا آصف سے ملاقات کا تجربہ کیکی کے لیے کوئی اتنا اچھا نہیں تھا۔ ایک گرم دن توتا خاموشی سے مطالعہ والے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اندر چلا گیا جہاں چچا آصف بیٹھے ہوئے تھے اور حسب سابق پرانے کاغذات اور کتابوں میں الجھے ہوئے تھے۔ کیکی اُڑا اور کتابوں کی الماری پر بیٹھ گیا۔ پہلے تو وہ اردگرد کا جائزہ بڑے شوق سے لیتا رہا اور پھر ایک تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ سیٹی نہ بجایا کرو۔" چچا آصف جو مکمل طور پر اپنی کتابوں میں گم تھے، وہ ڈر کر ان سے باہر نکلے۔ انہوں نے توتے کو نہیں دیکھا تھا اور یہ یکسر بھول چکے تھے کہ ایک توتا رہنے کے لیے ان کے گھر میں بھی آچکا ہے۔ وہ بیٹھ کر سر کھجانے لگے کہ اتنی تحکمانہ آواز سے کون بول رہا ہے۔ کچھ دیر کے لیے کیکی خاموش رہا۔ چچا آصف جب اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں کوئی غلطی لگی ہے تو پھر کاغذات میں گم ہوگئے۔ کیکی نے پھر اسی لہجے میں پوچھا۔ "تمہارا رومال کدھر ہے؟" چچا آصف کو یقین ہوگیا کہ اس کی بیوی کہیں نزدیک ہی ہے کیوں کہ کیکی جو اب چچی کی آواز کی کمال نقل اُتار لیتا تھا، چچی کی آواز میں ہی بول رہا تھا۔ انہوں نے فوراً اپنی جیبوں میں رومال تلاش کرنا شروع کر دیا۔ توتے نے کہا۔ "اچھا بچے، اب اپنے پاؤں صاف کرنا نہیں بھولنا۔" چچا آصف نے کہا۔ "میری پیاری بیوی میرے پاؤں تو گندے نہیں ہیں۔"

وہ سوچ رہے تھے کہ شاید وہ اپنی بیوی سے ہی بات کر رہے ہیں، وہ پریشان اور ناراض تھے۔ اکثر چچی ان کے پاس آکر انہیں پریشان نہیں کرتی تھی جیسے وہ اب غیر ضروری احکامات جاری کر رہی تھیں۔ وہ واپس مڑے تاکہ بیوی کو کہیں کہ وہ جائے لیکن بیوی وہاں ہوتی تو وہ اسے دیکھ پاتے۔ کیکی اب بالکل صغیر کی آواز میں کھانسا۔ چچا آصف کو یقین تھا کہ صغیر ان کے کمرے میں موجود ہے۔ بہت ناراض ہوئے، آج تمام لوگ کیوں ان کے کمرے میں آکر انہیں پریشان کر رہے تھے۔ یہ معاملہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اپنے تئیں صغیر سے بولے۔ "دفع ہو جاؤ! دیکھتے نہیں میں مصروف ہوں۔" توتے نے ناراضی سے کہا۔ "اوہ! تم ایک شرارتی لڑکے ہو۔" پھر وہ دوبارہ کھانسا اور پھر بالکل اصلی چھینک جیسی چھینک ماری اور پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ چچا آصف پھر کام میں جت گئے۔ وہ ہونے والی مداخلت کو یکسر بھلا چکے تھے لیکن کیکی کو اس خاموشی سے ایسا لگا جیسے اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ وہ کتابوں کی الماری سے اُڑا اور چچا آصف کے سفید بالوں والے سر پر بیٹھ گیا اور ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالنے لگا۔ چچا آصف بے چارے فوراً ہڑبڑا کر اُچھلے، انہوں نے سر پر ہاتھ پھیر کر کیکی کو ہٹایا اور اتنا زور سے چیخے کہ چچی جان کو فوراً ان کے کمرے میں آنا پڑا۔ کیکی فوراً کھڑکی سے باہر اُڑ گیا اور اُڑتے ہوئے ایسی آواز نکالی جیسے کوئی قہقہہ لگا رہا

ہو۔ چچی نے پوچھا۔ ”آصف! کیا بات ہے؟“ چچا آصف بہت غصے میں تھے، بولے۔ ”پہلے تو صبح سے لوگوں کا میرے کمرے میں تانتا بندھا رہا ہے، کوئی مجھے جوتے صاف کرنے کا حکم سنا رہا تھا، کوئی کہہ رہا تھا کہ میں سیٹی نہ بجایا کروں اور پھر کسی نے زور سے کوئی چیز میرے سر پر دے ماری۔“ تو چچی نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا کہ وہ کئی آدمی نہیں تھے، صرف ٹیکی تھا۔ ”چچا چلائے۔ ”صرف ٹیکی! صرف ٹیکی! اور کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ یہ ٹیکی کس بلا کا نام ہے؟“ وہ اس لیے بھی مزید غصے میں آ گئے کہ جب انہوں نے دیکھا بجائے ان کی بیوی ان کی دل جوئی کرے۔ الٹا ان کی باتوں پر مسکرا رہی ہے۔ چچی نے بتایا۔ ”ٹیکی ایک توتا ہے، مہمان آئے ہوئے لڑکے کا توتا!“ چچا تو کب سے عتریق اور نایاب کو بھول چکے تھے۔

انہوں نے چچی کو ایسے گھورا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہوں اور پھر پوچھنے لگے۔ کون سا لڑکا اور کون سا توتا، کیا تم سٹھیا گئی ہو؟“ چچی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولیں۔ ”تم چیزیں بڑی جلدی بھول جاتے ہو۔“ انہوں نے چچا کو دونوں بچوں کی آمد کے بارے میں دوبارہ یاد دلایا اور پھر ٹیکی کے بارے میں وضاحت کی اور کہنے لگیں۔ ”وہ دُنیا میں سب سے ذہین توتا ہے۔“ چچی اب دل سے ٹیکی کو پسند کرتی تھیں۔ چچا آصف نے آہستگی سے کہا۔ ”میری گزارش صرف یہ ہے کہ میں تمہاری بات کی تائید کر دیتا ہوں کہ واقعی وہ دُنیا کا ذہین ترین توتا ہے لیکن اسے میرے کمرے سے باہر رکھا جائے کیوں کہ اگر وہ آئندہ میرے کمرے میں آیا تو پھر میرے پھینکے ہوئے جوتے کی زد میں نہیں بچ سکے گا۔“ چچی نے دوبارہ کھڑکی کی طرف دیکھا تو ان کے ذہن میں آیا کہ چچا آصف نے آج تک کبھی بھی کسی چیز کا نشانہ لیا ہو تو کبھی بھی وہ صحیح ٹھکانے پر نہیں لگا۔ انہوں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ وہ کھڑکی ہی بند کر دیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اگلی دفعہ ٹیکی کے آنے کے بعد انہیں وہ تمام چیزیں سنبھالنی پڑیں جو چچا آصف اس پر پھینکیں گے۔ چچی کے لیے ناراض ہونے والے کئی واقعات رونما ہو رہے تھے مثلاً بچے ہر وقت کھانے کا تقاضا کرتے رہتے تھے، صغیر کی حرکتیں انہیں تنگ کر رہی تھیں اور اگر صغیر کوئی حرکت نہ بھی کرتا تو ٹیکی کچھ نہ کچھ گڑبڑ کر دیتا اور اگر ٹیکی خاموش ہوتا تو چچا آصف کے جوتے پھینکنے جیسی باتیں سننے کو ملتیں اور اپنے کمرے میں گئیں اور اندر سے زور سے دروازہ بند کر لیا۔ راہداری میں ٹیکی کی آواز گونجی۔ ”دروازے کو اتنے زور سے بند مت کرو اور میں نے تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے۔“ اس دفعہ چچی توتے پر برس پڑیں۔ ”تم اچھے پرندے نہیں ہو، بہت بُرے ہو۔“ ٹیکی یہ باتیں سن کر چیخ مارتا ہوا راہ داری سے اُڑا اور عتریق کو ڈھونڈنے لگا۔ عتریق ہمیشہ اسے پیار کرتا تھا اور کبھی جھڑکتا نہیں تھا۔ عتریق کدھر تھا؟ عتریق دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں تھا، وہ ایک چٹان پر چڑھا ہوا تھا اور سیدھا لیٹ کر بہ غور پرندوں کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سر پر اُڑ رہے تھے۔ ٹیکی سیدھا جا کر اس پر بیٹھ گیا جس کی وجہ سے اسے فوراً سیدھا بیٹھنا پڑا۔ اس نے ٹیکی کو کہا۔ ”تو یہ تم ہو ٹیکی۔ اپنے پنجے مجھے نہ مار دینا کیوں کہ میں نے صرف تیراکی کا لباس پہن رکھا ہے۔ اب خاموش رہنا ورنہ تم باقی پرندوں کو بھی ڈرا دو گے۔ میں اب تک پانچ قسم کے نئے بگلے دیکھ چکا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے ٹیکی کو پرے کیا اور پھر اردگرد دیکھنے لگا۔ اس نے عینک لگائی اور سمندر میں اس طرف دیکھنے لگا جہاں دکھ والا جزیرہ تھا اور جو ابھی تک اسے واضح نظر نہیں آ سکا تھا لیکن آج اگرچہ باقی چٹانیں دھند میں ڈھکی ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھیں مگر کسی وجہ سے وہ جزیرہ صاف اور واضح نظر آ رہا تھا۔ حیرانی سے عتریق کے منہ سے نکلا۔ ”یا خدا! وہ رہا پُراسرار جزیرہ جسے صغیر ہمیشہ بُرا کہتا ہے۔ آج وہ کیسا صاف نظر آ رہا ہے۔ مجھے تو اس کے اردگرد کی چٹانیں بھی نظر آ رہی ہیں بلکہ وہ لہریں بھی جو ہر وقت اس کے ساحل سے ٹکرا کر اس پر دھند بنائے رکھتی ہیں۔“ عتریق البتہ جزیرے پر پرندے نہ دیکھ سکا کیوں کہ اس کی پہنی ہوئی عینک سے وہ زیادہ سے زیادہ جزیرہ اور اس کے اردگرد پھیلی چٹانیں ہی دیکھ سکتا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح عتریق کو یقین ہو گیا تھا کہ وہاں ہزاروں پرندے ہیں۔ اس نے خود سے کہا۔ ”نایاب پرندے! ایسے پرندے جو آج تک کسی نے نہ دیکھے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ایسے جزیرے پر جہاں کوئی انہیں پریشان نہیں کرتا، وہاں انہوں نے گھونسلے بنا رکھے ہوں۔ یا خدا! میری کتنی خواہش ہے کہ میں اس جزیرے پر جا سکوں۔ یہ صغیر کتنا بُرا انسان ہے جس کی وجہ سے ہم پُراسرار جزیرے پر نہیں جا سکتے۔ (باقی آئندہ)☆☆☆

میں کاغذ ہوں

ساجد کمبوہ

میں کاغذ کا ایک خوب صورت رجسٹر ہوں، میری قیمت سو روپے ہے، میرا رنگ سفید اور مجھ پر سرخ و سبز لائنیں لگی ہیں۔ جس سے میری شان و شوکت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ میں دوسری کاپی کتابوں میں بہت جچ رہا تھا۔ مجھ پر بلیک رنگ کا بورڈ لگا تھا جس پر کمپنی نے اپنی مشہوری کی تھی۔ میں حاجی بک ڈپو پر پڑا تھا، وہ مجھے اردو بازار سے خرید کر لائے تھے۔ ایک تو ان کا مقصد کمائی تھا دوسرا بچے مجھ پر اپنا ہوم ورک اور ٹیوشن ورک کریں تا کہ وہ پڑھ لکھ کر وہ بڑے آدمی بن جائیں۔ ابوبکر کے پاپا مجھے خرید کر لے گئے تا کہ ابوبکر بھی اس پر ہوم ورک، ٹیوشن ورک کر کے بڑا آدمی بن جائے۔ مجھے اس وقت بڑا افسوس ہوا جب ابوبکر نے مجھ پر ٹیڑھی میڑھی لائنیں لگائیں۔ میرے ورقے پھاڑ کر کشتی، ہوائی جہاز، چڑیا وغیرہ بنائیں۔ میرے کچھ اوراق پر غلط ملط سوالات کیے اور میرے کچھ اوراق کوڑے دان میں پھینک دیے۔ یوں مجھے پھاڑ کر ضائع کر دیا۔ مجھ پر ہوم ورک کر کے بڑا آدمی بنتا، مجھے خوشی ہوتی یوں ضائع کرنے پر میرے آنسو نکل پڑے۔ ابوبکر کو کیا خبر مجھے کیسے بنایا گیا، مجھے کیسے کیسے امتحانات سے گزر کر بنایا گیا ہے۔ اگر اسے خبر ہوتی تو یقیناً مجھ پر ہوم ورک کر کے بڑا آدمی بنتا۔ آیئے میں سب بچوں کو بتاتا ہوں کہ مجھے کیسے بنایا گیا اور مجھے کن مراحل سے گزارا گیا۔

میرے اباء کا تعلق چین سے ہے۔ سب سے پہلا کاغذ چین میں تیار ہوا۔ اس وقت درختوں کی چھال چیں کر، پانی میں ملا کر ہاتھ رولروں کی مدد سے بنایا گیا۔ سات سو سال تک چائنہ والوں نے میری حفاظت کی۔ کسی کو میرے بننے کا راز نہ بتایا۔ میری پیدائش صدیوں پہلے کی ہے۔ چین والے مجھ کاغذ کو بیچ کر ڈھیروں زرمبادلہ کماتے رہے۔ اس وقت یورپ والے چائنہ سے مجھے خریدتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اہل یورپ اور دوسرے ممالک کو خبر ہوئی۔ وقت کے مطابق اس کی طلب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آج دُنیا کے ہر حصے میں مجھے استعمال کیا جاتا ہے اور مجھ سے لاکھوں کتابیں، کاپیاں، رجسٹرز اور استعمال کی دوسری چیزیں چھاپی جاتی ہیں۔

پیارے بچو! آپ نے گندم کا پودا تو دیکھا ہوگا۔ یقیناً دیکھا ہو گا جب اس سے گندم کے دانے الگ کر لیے جاتے ہیں تو بھوسہ یا توڑی رہ جاتی ہے۔ اس توڑی کو سٹرا (Straw) کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے اُگی کائی (Kahi) ہوتی ہے۔ کائی کو پہلے بڑے بڑے بلیڈز سے باریک کاٹا جاتا ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ٹوکے پر چارہ کاٹ کر گائے بھینس کو کھلایا جاتا

ہے۔ ایسے ہی کٹرز سے باریک کرنے کے بعد اسے پانی میں ڈال کر واش (Wash) کیا جاتا ہے۔ یہاں تو ڑی اور کائی کا پروسیجر ایک ہو جاتا ہے۔ انہیں بڑے بڑے ڈائجسٹروں (Digesters) میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پانی اور اسٹیم کی مدد سے مجھے نرم کیا جاتا ہے پھر مجھے بلو ٹینک (Blow Tank) میں ڈالا جاتا ہے کلورین گیس اور ہائپو (Hypo) کی مدد سے پلپ (Pulp) بنائی جاتی ہے۔ پلپ اس گودے کو کہتے ہیں جس سے پیپر بنایا جاتا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں اس وقت میرا کیا حال ہوتا ہوگا؟

نہیں کسی کو کچھ اندازہ نہ ہوگا پھر اس کے بعد مجھے واشنگ فلٹروں میں ڈالا جاتا ہے، وہ مجھے چھن کر رکھ دیتے ہیں۔ وہاں بھی مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ وہاں پانی اور فلٹروں کی مدد سے پانچ فلٹر، واشنگ کے مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ اس سے آگے spp یعنی Strain Prepeation plant پر پھینک دیا جاتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے حوض بنے ہوتے ہیں۔ آپ نے بھی دہی سے لسی اور مکھن نکلنے کا منظر تو دیکھا ہوگا وہ محدود پیمانے پر ہوتا ہے مگر یہاں ٹنوں کے حساب سے وسیع پیمانے پر پلپ کو بڑے بڑے پلپروں (Pulpers) سے خوب گھمایا جاتا ہے۔ وہاں میرے رنگ اور روپ کا فیصلہ کیا جاتا ہے کہ مجھے ٹشو پیپر بنانا ہے، یا کاٹ پیپر، کاپی کور، اخباری پیپر، کاپی پیپر، مطبو پیپر، یا کرنسی نوٹ کا پیپر بنایا جائے۔ وہاں مختلف کیمیکل، میں کلرز کا استعمال کیا جاتا ہے۔

پیارے بچو! آپ نے ملک میں جگہ جگہ گنے کا رس نکالنے والے بیلنے تو دیکھے ہوں گے۔ گنے کا رس نکالتے ہوئے بچایا جو ویسٹ waste نکلتی ہے اسے "بگاس" کہتے ہیں اسے باریک کر کے اور کاغذات کی ردی کو بھی پیپر بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ نے سفیدے کا درخت بھی دیکھا ہوگا اسے کاٹ کر اس کا بھی بورا (wooden Saw) بنایا جاتا ہے۔ وہ بھی پیپر بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ امپورٹڈ پلپ بھی استعمال کی جاتی ہے۔ ردی میں اخبارات، میگزین، کتابیں اور فریج، چائے کی پتی، سگریٹوں کی ڈبیاں اور مختلف ردی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ ردی کنویئر رول Conve Roll کے ذریعے ٹینکوں میں ڈالی جاتی ہے۔ وہاں پانی سے واش کیا جاتا ہے۔ وہاں سے

بڑی بڑی چسٹوں (Chest) میں ڈالا جاتا ہے۔ بڑے بڑے پلپروں سے مکس Mix کیا جاتا ہے۔ ان چسٹوں میں سٹرا، کائی، پیپر ردی، امپورٹڈ پلپ ایک جیسی ہو جاتی ہیں اب یہ "گودا" یعنی پلپ بن جاتی ہے۔ وہاں سے پیپر مشین پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔

وہاں مجھے بنانے کے لیے گرم رولروں کے ذریعے بنایا جاتا ہے ان میں پوپ (pope) ڈینڈی رول (dandy roll) سٹیم رول (steam roll) ڈرائیر (dryer) بو رول (bow roll) ٹیبل رول (table roll) وائیر رول (wire roll) وغیرہ سے گزر کر بنتا ہوں۔ یوں ان رولروں (rolls) پر ہوتا ہوا مکمل ہوتا ہوں وہاں مجھے ایک بڑے رولر پر لپیٹ دیا جاتا ہے جسے سپول رول spoul roll کہتے ہیں۔ اس دوران مجھے کئی ایک جوڑ (joint) بھی لگتے ہیں۔ پیپر کی چوڑائی کو ڈیکل (Deacal) کہتے ہیں جو مختلف مشینوں کا مختلف ہوتا ہے۔ کسی کا آٹھ فٹ کسی کا دس فٹ ہوتا ہے۔ پھر مجھے ریوائنڈر (rewinder) پر منتقل کیا جاتا ہے۔ وہاں مجھے مختلف سائزز (sizes) کے مطابق کاٹا جاتا ہے وہاں شیپر رول shaper roll ہوتا ہے۔ دوسرے رولر میں راؤنڈ بلیڈز ہوتے ہیں جو بہت تیز ہوتے ہیں۔ ان کی مدد سے مجھے کاٹا جاتا ہے پھر دوسری طرف سخت گول نلی کور Core پر لپیٹا جاتا ہے۔ یوں مجھ کو ایک کاغذ کی کئی حصوں میں کاٹا جاتا ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے بعد مجھے فنشنگ ہاؤس (finshing house) منتقل کر دیا جاتا ہے۔ وہاں پھر مختلف سائزوں میں کاٹا جاتا ہے۔ وہاں سمپلکس کٹرز (simplex cutter) ڈوپلیکس کٹرز (duplex cutter) گلوٹین کٹرز (Guillotine cutters) اور پاکستانی کٹرز کی مدد سے میری شیٹس (sheets) بنائی جاتی ہے۔ میری کسی ریل (real) کو کوٹنگ پلانٹ پر منتقل کیا جاتا ہے، وہاں انہیں کوٹڈ coated کیا جاتا ہے۔ ایک طرف سفید پاؤڈر کا لیکوڈ لگا کر ایک حصے کو مزید سفید کیا جاتا ہے پھر انہیں بھی مختلف شیٹس میں کاٹا جاتا ہے۔ اس سے ڈرائنگ شیٹس بنتی ہیں۔ مجھے بناتے وقت میرے وزن یعنی گرامیج (Grams) کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ ٹشو پیپر 6 سے 7 گرام، کاپیوں کے الگ، رجسٹروں، ڈرائنگ شیٹس کے لیے الگ گرامیج کا پیپر تیار کیا جاتا ہے۔ 58 گرام، 60 گرام، (بقیہ صفحہ نمبر 10)

کام یابی کے اصول

☆ ناکامی کی بنیادی وجہ اپنی زندگی کی ذمہ داری کو قبول نہ کرنا ہے۔
☆ آج، آپ کی زندگی، بری یا بھلی جیسی بھی ہے، یہ سب کچھ آپ کے اپنے انتخاب کی وجہ سے ہے۔ اس کی ذمہ داری قبول کریں۔
☆ جب تک آپ اپنی "موجودہ حالت" کو چیلنج نہیں کریں گے، کچھ بھی نہیں بدلے گا۔
☆ اپنے آپ کو بتائیں کہ "بہترین" پر آپ کا حق ہے۔
☆ الزام تراشی اور شکایات کرنا بند کر دیجیے۔
☆ یہ یقین کرنا شروع کر دیں کہ صرف ایک ہی شخص آپ کی زندگی کو بدل سکتا ہے اور وہ آپ خود ہیں۔
☆ اپنے پیشے، صحت، خوشی، وقت، احساسات، اعمال، ردِعمل، ماضی، حال، مستقبل، تمناؤں، خواہشات اور کام وغیرہ سب کی ذمہ داری قبول کیجیے۔

"اپنی روش پر قائم رہنے والا آدمی تقدیر پر بھروسا کرتا ہے، جب کہ کچھ کر گزرنے والا آدمی موقع کی تلاش میں ہوتا ہے۔" (بینجمن ڈسرائیلی)
اکثر ہم زندگی کے متعلق اپنی ذمہ داری قبول ہی نہیں کرتے اور اسے دوسروں کی مرضی پر چھوڑ کر انھیں الزام دیتے ہیں۔ ایمان داری کی بات ہے کہ جب ہم اپنی زندگی کو خود کنٹرول نہیں کریں گے تو دوسرے کریں گے۔ ہم اپنے آپ کو "مکمل" سمجھ کر اور ساری دنیا کو "الزام" دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ جو اپنی زندگی سے ناخوش اور غیر مطمئن ہوتے ہیں، خود ترسی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو کمزور کر دیتے ہیں۔
"جتنی جلدی آپ اپنی زندگی کی ذمہ داری قبول کریں گے اتنی ہی جلدی آپ اپنی زندگی میں کام یابی پائیں گے۔" (فائز سیال)
"جس دن آپ اپنی مکمل ذمہ داری سمجھ لیں، جس دن آپ بہانے بنانا، صفائیاں دینا چھوڑ دیں، اسی دن بلندی کے سفر کا آغاز ہو جاتا ہے۔" (او۔ جے۔ سمپسن)

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 دسمبر 2017ء ہے۔

سوچ کر بتائیے

نام: ____________
شہر: ____________
مکمل پتا: ____________
____
موبائل نمبر: ____________

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 دسمبر 2017ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: ____________
مقام: ____________
مکمل پتا: ____________
موبائل نمبر: ____________

ہمیر کا موضوع "موسم سرما کے پھل" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 دسمبر 2017ء ہے۔

ہونہار مصور

نام ____________ عمر ____________
مکمل پتا: ____________
____
موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________
مقاصد ____________
____
موبائل نمبر: ____________
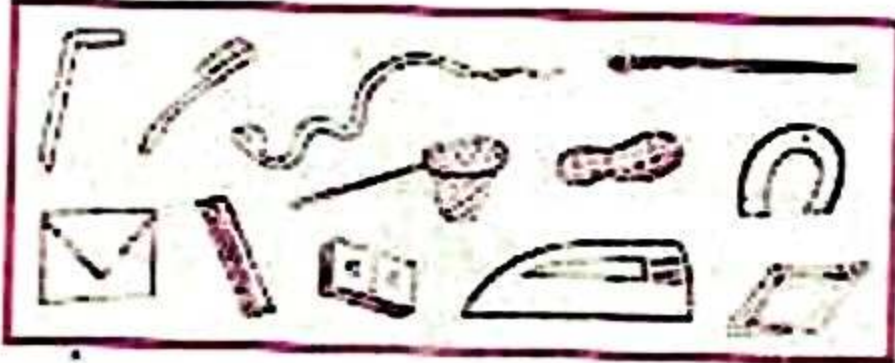
اوجھل خاکے
یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔
GIVE A HOOT
TO -
RECYCLING!

حضور ﷺ کی بلا امتیاز سخاوت

ایک بار ایک سائل نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا۔ یہ سائل ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا مگر حضورؐ ہر سائل کو اس کی حاجت کے مطابق عطا فرمایا کرتے تھے اور اس سخاوت میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے چناں چہ حضورؐ نے اسے کثیر تعداد میں بکریاں عنایت فرمائیں۔ وہ یہ بکریاں لے کر اپنی قوم میں پہنچا تو انہیں بتایا کہ یہ بکریاں کس نے اور کیسے دی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا:

"اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کہ محمد (ﷺ) اس شخص کی مثل عطا کرتے ہیں جس کو فقر کا کچھ خوف نہیں ہوتا۔" (شگفتہ زہرہ، لاہور)

جب امام بوصیری نے قصیدہ بردہ لکھا

امام شرف الدین بوصیری نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے۔ جن میں سے بعض وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے تھے۔ بعد از اں ایسا اتفاق ہوا کہ وہ مرض فالج میں مبتلا ہو گئے۔ جس سے ان کا نصف بدن بیکار ہو گیا۔ اس بیماری کی حالت میں ان کے جی میں آیا کہ رسول اللہؐ کی مدح میں ایک اور قصیدہ لکھیں چناں چہ انہوں نے قصیدہ بردہ تیار کیا اور رسول اکرم ﷺ کے توسل سے اپنی عافیت کے لیے دعا کی۔ انہوں نے اس قصیدے کو بار بار پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی امام بوصیری نے قصیدہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا جس پر حضورؐ نے بے حد داد دی پھر حضورؐ نے اپنا دست شفا ان کے بدن کے فالج زدہ حصے پر پھیرا اور اپنی چادر (بردہ) مبارک ان پر ڈال دی۔ آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل تندرست و توانا پایا اور دیکھا کہ حضورؐ کی عطا کردہ چادر ان کے بدن پر پڑی ہے۔

امام بوصیری نے اس قصیدے کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا مگر جب وہ صبح کو گھر سے نکلے تو راستے میں ایک درویش ملے۔ انہوں نے کہا:

"جناب! وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمایئے جو آپ نے رسول اللہؐ کی مدح میں لکھا ہے۔"

امام بوصیری نے کہا:

"میں نے تو حضور اکرم ﷺ کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہیں۔ آپ کون سا قصیدہ طلب فرما رہے ہیں؟"

درویش نے کہا:

"وہی قصیدہ جو آپ نے بیماری کی حالت میں لکھا ہے۔"

درویش نے اس قصیدہ کا مطلع بھی بتا دیا اور پھر کہنے لگا:

"خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ میں نے دربار نبوی میں سنا ہے۔ جب یہ قصیدہ پڑھا جا رہا تھا تو حضورؐ اسے سن سن کر یوں جھوم رہے تھے جیسے کہ باد نسیم کے جھونکے سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضورؐ انور نے اسے پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر اپنی چادر ڈال دی۔"

درویش کی یہ بات سن کر امام بوصیری نے اپنا خواب بیان کیا اور وہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا۔ مشہور ہے کہ اس قصیدے کے ذریعے شفا مانگنے والوں کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ (فوات الوفیات)

(احمد کامران، لاہور)

ہاتھ دھو لو

آؤ پیارے بچو آؤ
جلدی آؤ کھانا کھاؤ
لیکن ٹھہرو تو ذرا
دیکھو تو ہاتھوں کو ذرا
کھیل کھیل کے ہوئے ہیں میلے
یا پھر ہیں پسینے والے
دونوں صورتوں میں ہی بچو
دھوتے ہاتھ ضروری سمجھو
ورنہ کبھی ہوتا ہے ایسے
پڑ جاتے بیمار ہیں بچے
صحت مند ہمیشہ رہنا
وطن کی آن بڑھاتے رہنا

(سائرہ حمید تشنہ۔ فیصل آباد)

جواہر پارے

☆ اتنے نرم نہ بنو کہ نچوڑ لیے جاؤ اور اتنے سخت بھی نہ بنو کہ توڑ لیے جاؤ۔

☆ وقت ایسی زمین ہے جس پر محنت کے بغیر کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

☆ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔

☆ صبر ایک سواری ہے جو اپنے سوار کو کسی کی نظروں یا قدموں میں گرنے نہیں دیتی۔

☆ زیادہ ہنسنے سے آدمی کا رعب کم ہو جاتا ہے۔

☆ اچھا سوال کرنا آدھا علم ہے۔

(نعیمہ نور، لاہور)

کتاب

میں نے پڑھی ہے کتاب
دل خوش ہوا پڑھ کر کتاب
کتاب کھولی علم کی روشنی آئی
مجھے کتاب نے نیک و بد کی تمیز سکھائی
اچھی لگتی ہے کہانیوں کی کتابیں
دل کو لبھاتی ہیں جب پڑھتا ہوں کتابیں
کتاب ہمیں سارے جہاں کی سیر کرائے
گھر بیٹھے بیٹھے دور کو نزدیک لائے
میں نے پڑھی ہے کتاب
دل خوش ہوا پڑھ کر کتاب

(کاوش: محمد ابراہیم، واہ کینٹ)

سنہرے الفاظ

☆ کسی کو اچھے عمل سے خوشی دینا ہزار سجدے کرنے سے بہتر ہے۔

☆ زندگی کی درازی کا راز "صبر" میں پوشیدہ ہے۔

☆ سب سے بڑی دانائی یہی ہے کہ انسان خود کو دانا مت سمجھے۔

☆ صبر رکھو۔ ہر چیز آسان ہونے سے پہلے مشکل ضرور ہوتی ہے۔

☆ محنت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری کامیابی شور مچا دے۔

☆ کبھی کسی کا دل مت دکھاؤ۔ کیوں کہ تم بھی سینے میں ایک دل رکھتے ہو۔

☆ پریشان ہونے والے کو کبھی نہ کبھی سکون مل ہی جاتا ہے مگر پریشان کرنے والے ہمیشہ سکون کی تلاش میں رہتے ہیں۔

☆ انسانی روح کی اصل کیفیت غم ہے۔ خوشی تو ایک عارضی شے ہے۔

☆ جو دکھ دے، اسے چھوڑ دو۔ مگر جسے چھوڑ دو اسے دکھ نہ دو۔

☆ دشمن سے ہمیشہ بچو اور دوست سے اس وقت جب وہ تمہاری تعریف کرنے لگے۔

(ایمان فاطمہ، لاہور)

پیغام

جگنو کی مانند شمع جلاؤ
بھٹکے ہوؤں کے کام آؤ
ظلم کی اندھی نگری میں
امن و وفا کے دیپ جلاؤ
سب کی خدمت کرنا سیکھو
محتاجوں کے تم کام آؤ
کھیلو، کودو شوق سے لیکن
کام سے اپنے جی نہ چراؤ
لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے
پیار محبت سے پیش آؤ
کام کرو تم نیکی کے سب
پاس برائی کے مت جاؤ
جہد مسلسل سے تم بچو!
منزل کی جانب بڑھتے جاؤ

(محمد شفیق اعوان، اٹک)

نماز

اللہ سے جو ڈرتا ہے   وہی نمازیں پڑھتا ہے
جس نے چھوڑا فرض یہاں   بچو وہ تو ہے ناداں
اقبال، عزیز، محمود و ایاز   حکم یہی ہے پڑھو نماز
ان کو جس نے چھوڑا   عہد ایماں توڑا بچو
صالح نیک انسان بنائے   پختہ یہ ایمان بنائے
نماز ہے بچو فرض ہمارا   جلدی پڑھ لو اسے خدارا
صبح سویرے وضو بنا کر   گھر سے پھر مسجد میں جا کر
نماز پڑھیں ہم باجماعت   غم سے ہر دم ملے نجات
چہرہ ہو گا اُجلا اُجلا   دل بھی ہو گا نکھرا نکھرا
کوثری کر لو اللہ اللہ
سب کی خیر اور سب کا بھلا

(شہناز کوثری، لاہور)

رسہ کشی کا شمار شہ زور کھیلوں میں ہوتا ہے۔ اس میں رسے کے دو سروں سے جڑے کھلاڑیوں کے مقابلے کا بنیادی مقصد ایک دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگانا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد کھیل ہے جس میں پیچھے ہٹنے والی ٹیم فاتح قرار پاتی ہے۔ رسہ کشی کو کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جن میں ٹگ آف وار، روپ وار روپ پولنگ یا ٹگنگ وار شامل ہیں۔ ٹگ آف وار کا لفظی مطلب فیصلہ کن جنگ ہے۔ اس جنگ یا مقابلے میں دو ٹیمیں بالادستی کے لیے میدان میں اترتی ہیں۔ رسہ کشی کے ماخذ کے بارے میں حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ قدیم یونان، مصر اور چائنہ میں اس کھیل کا سراغ ملتا ہے۔

قدیم یونان میں جنگی تیاریوں کے لیے رسہ کشی کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس دور میں رسہ کشی کے لیے افراد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ایک دوسرے کو کھینچتے تھے۔ یہ خاصا مشکل کام تھا۔ کیوں کہ ہاتھ سے گرفت کرنا رسے کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل تھا۔ قدیم یونان میں رسہ کشی یا ٹگ آف وار نہ صرف ایک مقبول کھیل تھا بلکہ جنگی تیاریوں اور مضبوط دفاع کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ آرکیالوجسٹ کا کہنا ہے کہ 12ویں صدی میں اسے ہندوستان کے مقبول ترین کھیل کا درجہ بھی حاصل تھا۔ متحدہ ہندوستان میں بھی رسہ کشی کے مقابلوں کا سراغ 12ویں صدی میں ہی ملتا ہے۔ پاکستان میں رسہ کشی بہت مقبول کھیل ہے۔ خصوصاً دیہات میں یہ بڑے اہتمام سے کھیلا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اسکولز و کالجز میں بھی باقاعدگی سے اس کے مقابلے ہوتے ہیں۔ خواتین، مرد اور بچے بڑی دل چسپی سے ان مقابلوں کا حصہ بنتے ہیں۔ رسہ کشی کے سالانہ مقابلوں میں طالب علموں کی دل چسپی عروج پر ہوتی ہے۔ جب جیتنے والی ٹیم ڈھول کی دھمال پر جیت کا جشن مناتی ہے۔ رسہ کشی کے عالمی مقابلوں میں پچاس سے زائد ممالک کی ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔

رسہ کشی یا ٹگ آف وار کا انعقاد ایک کھلے میدان میں ہوتا ہے۔ میدان کے مرکز میں ایک مخصوص نشان لگا دیا جاتا ہے۔ رسے کے دو سروں پر کھلاڑی ایک قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے اور حریف ٹیم کو کھینچنے والی ٹیم کام یاب قرار پاتی ہے۔ مغرب کے ساتھ ساتھ یہ کھیل برصغیر میں بھی بے حد مقبول ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس کے مقابلے باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے آتی ہے۔

تاریخی لحاظ سے جائزہ لیا جائے تو رسہ کشی کی ابتدا کے بارے میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس کا آغاز قدیم دور کی تقریبات اور رسومات سے ملتا ہے۔ مصر، بھارت، میانمار اور نیوگنی وغیرہ میں اس

کی باقاعدہ جڑیں موجود تھیں۔ بھارتی ریاست اڑیسہ میں 12 ویں صدی میں اس کھیل کا سراغ ملتا ہے۔ 15 ویں اور 16 ویں صدی میں رسہ کشی فرانس اور برطانیہ میں بہت مقبول کھیل تھا۔ 18 ویں صدی میں کہا جاتا ہے کہ جہاز رانی میں بادبانوں کے رسوں کو کھینچنے کے لیے رسہ کشی یا ٹگ آف وار کے ماہروں سے مدد لی جاتی تھی۔

اس کھیل کی باقاعدہ ٹیمیں صدیوں پہلے قائم ہو چکی تھیں۔ یہ کھیل 1900ء سے 1920ء تک باقاعدہ اولمپکس گیمز کا حصہ رہا۔ پھر اسے اولمپکس گیمز سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد رسہ کشی کی انٹرنیشنل تنظیم قائم کی گئی۔ ورلڈ چیمپئن شپ کا سالانہ بنیادوں پر انعقاد اسی تنظیمی پلیٹ فارم سے عمل میں آیا۔ برطانیہ میں اس کے مقابلے ٹگ آف وار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام منعقد کرائے جاتے۔ یہ تنظیم 1958ء میں قائم ہوئی۔ ٹگ آف وار فیڈریشن برطانیہ 1984ء میں قائم کی گئی۔ اسکاٹ لینڈ میں ٹگ آف وار فیڈریشن کا قیام 1880ء میں عمل میں آیا۔ جولائی کی ہر چار تاریخ کو کیلی فورنیا ٹاؤن میں سالانہ رسہ کشی یا ٹگ آف وار کے مقابلے ہوتے ہیں۔ جاپان میں رسہ کشی اسکول اسپورٹس فیسٹیول میں باقاعدگی سے کھیلی جاتی ہے۔ جاپان میں رسہ کشی یا ٹگ آف وار اچھی فصل کی کاشت کے لیے دعا مانگنے کا طریقہ بھی ہے۔ ہی ہاما میں ٹگ آف وار فیسٹیول زیر زمین پانی کے نیچے منعقد ہوتے ہیں۔ فیوکیوئی 180 سال پرانا فیسٹیول ہے۔ جس کا ہر سال جنوری میں انعقاد ہوتا ہے۔ اس مشہور فیسٹیول میں تقریباً 3 ہزار افراد ایک رسے کو کھینچتے ہیں۔ یہ رسہ 365 میٹرز طویل ہوتا ہے۔ انڈونیشیا میں بھی ٹگ آف وار ایک مقبول کھیل ہے۔ جس کے سالانہ مقابلے منعقد کرائے جاتے ہیں۔

رسہ کشی کے ان مقابلوں میں دو ٹیمیں آٹھ آٹھ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جس کا مجموعی وزن اس کلاس کے لیے متعین کردہ مجموعی حجم سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو رسے کے دوسروں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ دوران کھیل رسہ کشی کے قوانین پر عمل بہت ضروری ہے۔ رسہ کشی میں کہنی کو گھٹنے کے نیچے لے جانا "لاکنگ" فاؤل کہلاتا ہے۔ یہ تمام قوانین عالمی ورلڈ چیمپئن شپ میں لاگو ہوتے ہیں۔

رسہ کشی تعلیمی اداروں میں بڑے ذوق و شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ اس کھیل کی سب سے اہم چیز ایک مضبوط رسہ ہے۔ پٹ سن لے کر اس کا تقریباً 2 انچ موٹا رسہ بنایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 80 فٹ ہوتی ہے۔ رسے کے درمیان ایک نشان لگایا جاتا ہے۔ ایک کھلاڑی کو رسی کے ایک سرے پر چینٹی بنا کر جوتا جاتا ہے۔ رسے کے ایک سرے کو دوہرا کر کے رسے کے ساتھ باندھا دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی دوسری ٹیم کے کھلاڑی کو بھی باندھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک کھلاڑی رسے کو ایک طرف سے جب کہ دوسرا کھلاڑی دوسری طرف سے اپنے کندھوں پر ڈال لیتا ہے۔ باقی کھلاڑی رسی کے ایک سرے کو پکڑ لیتے ہیں۔ یہاں عموماً 11،11 کھلاڑیوں کی دو ٹیمیں بنتی ہیں۔ جیسے ہی ریفری کھیل شروع کرنے کا اشارہ دیتا ہے۔ دونوں طرف کے کھلاڑی زور لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ زمین پر ایک لائن لگی ہوتی ہے۔ کھلاڑی اپنے پاؤں زمین میں زور سے گاڑ لیتے ہیں۔ تاکہ دوسری ٹیم رسہ نہ کھینچ سکے۔ بالآخر جو ٹیم زور آزمائی کے بعد مقررہ نشان سے رسہ کھینچ لیتی ہے۔ وہ ٹیم جیت جاتی ہے اور دوسری ٹیم ہار جاتی ہے۔

رسہ کشی چونکہ طاقت کا کھیل ہے۔ اس لیے اس میں حصہ لینے والے تمام افراد کے پٹھے مضبوط ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک اتفاقی سپورٹ ہے۔ اصل طاقت تمام ٹیم ممبران کا باہمی ربط ہم ہے۔ جو انفرادی جسمانی مضبوطی سے بھی ضروری ہے۔ یہ ذہنی ہم آہنگی ہی جیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کھیل کا مرکزی شخص ڈرائیور کہلاتا ہے۔ جو ٹیم کی مشترکہ زور آزمائی میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ وہ ٹیم کی رہنمائی کرتا ہے کہ رسے کو کب کھینچنا ہے اور کب سکون کی حالت میں ہونا چاہیے۔ اسی کی ہدایت پر کھلاڑی اپنے جوتوں کو زمین میں گاڑتے ہیں۔ جس کا مقصد رسے کی حرکت محدود کرنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے رومال اور ہیٹ کو لہرا کر ٹیم ممبران کو متوجہ کرتا ہے۔

رسہ کشی میں کھلاڑیوں کو خطرناک قسم کی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جب ان کی انگلیاں یا بازو کٹ جاتے ہیں۔ ایسی خوف ناک صورت حال کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ جن میں سے پہلی لوپنگ یعنی ہاتھ یا کلائی کے گرد رسہ لپیٹنا اور دوسری رسہ ٹوٹنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی لچک ہے۔

☆☆☆

ی	ے	س	ی	ب	ا	ل	گ	ل	ن
و	ک	ط	ظ	س	ر	خ	ن	م	ق
ن	ا	ع	ن	ی	ا	ش	ی	س	گ
ل	ل	ک	ژ	ث	ٹ	ن	ب	ف	ل
ڈ	ا	ق	ص	گ	ن	ز	ا	ی	س
و	خ	ن	ی	ل	ا	ط	ن	د	ض
س	ا	گ	ا	ب	ژ	ڈ	ع	ن	س
ک	ل	ل	ج	ا	م	ن	ی	ل	ب
ع	ی	ظ	ط	ص	س	ت	ڑ	ر	ز
ی	پ	ن	ل	گ	ق	د	ج	ت	ا

آپ نے حروف ملا کر دس الفاظ تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان الفاظ کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

رنگ، سبز، سرخ، جامنی، کالا، سفید، پیلا، نیلا، گلابی، عنابی

لیتھوپس

لیتھوپس (Lithops) ایک صحرائی پودا ہے۔ جس کا "Alzoaceae" خاندان سے تعلق ہے۔ یہ پودا عموماً جنوبی افریقہ میں اگتا ہے۔ کیوں کہ دیکھنے میں یہ پتھر نما ہے اس لیے

اسے سٹون پلانٹ (Stone Plant) کہا جاتا ہے۔ اسے "زندہ پتھر" (Living Stone) بھی کہتے ہیں۔ اس پودے کے دو پتے آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔ جب کہ تنا بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ دونوں پتوں کے درمیان جگہ (space) میں پھول کھلتے ہیں۔ کیوں کہ تنا بہت مختصر ہوتا ہے اس لیے یہ پتے پتھروں میں اگے پتھر دکھائی دیتے ہیں۔ پھول خوش بو دار ہوتے ہیں۔ اس پودے کا پھل "Capsule" کہلاتا ہے۔ جس میں متعدد بیج ہوتے ہیں۔ نمیبیا، بوتسوانا، انگولا وغیرہ کے علاقوں میں قدرتی طور پر پایا جانے والا یہ پودا زیبائشی طور پر بھی اگایا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ صحرائی پودا ہے اس لیے رات کو گرنے والی اوس یا شبنم سے بھی اپنی پانی کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ بارش کے دنوں میں اپنے اندر پانی ذخیرہ بھی کر سکتا ہے۔

سکہ دریائی

ریت کا ڈالر، سکہ دریائی، سینڈ ڈالر (Sand Dollar) ایک سمندری جانور ہے جسے سی کوکیز (Sea Cookies) یا "Snapper Biscuit" بھی کہتے ہیں۔ اس جانور کا قائم

"Echinodermata" اور آرڈر "Clypeasteroida" سے تعلق ہے۔ اس جانور پر بیرونی ڈھانچہ موجود ہے جسے Test کہتے ہیں۔ یہ ٹیسٹ کیلشیم کاربونیٹ کا بنا ہوتا ہے۔ اس خول نما ڈھانچے پر کانٹے نما ابھار پائے جاتے ہیں۔ یہ کانٹے نما ابھار سبز، نیلے، بنفشی یا جامنی رنگ کے ہوتے ہیں۔ دل چسپ امر ہے کہ اس جانور کا منہ درمیان میں نچلی طرف ہوتا ہے جب کہ فضلہ خارج کرنے والا سوراخ Anus درمیان میں اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ سینڈ ڈالر کا سائنسی نام "Echinarachnius Parma" ہے۔ اس کی مختلف انواع دنیا کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ سینڈ ڈالر کے خول، خشک کر کے فروخت کیے جاتے ہیں کیوں کہ ان سے خوب صورت ڈیکوریشن اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔

سمندری و آبی آلودگی کی وجہ سے ان کی نسلوں کو خطرات لاحق ہیں۔
سینڈ ڈالرز انسانی معاشرے میں بطور غذا استعمال نہیں ہوتے۔

ٹیٹرا سائکلین

ٹیٹرا سائکلین (Tetracycline) ایک مشہور زمانہ اینٹی بایوٹک ہے۔ جو مختلف طرح کی انفیکشنز کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جن میں دانے، خارش، ہیضہ، ملیریا، پیٹ میں خرابی (Brucellosis)، طاعون وغیرہ شامل ہیں۔ اس دوائی کی یہ خوبی ہے کہ حملہ آور بیکٹیریا کو پروٹین بنانے سے روک دیتی ہے۔ یہ اینٹی بایوٹک 1953ء میں رجسٹرڈ ہوئی اور 1978ء سے مارکیٹ میں دستیاب ہوئی۔ اس کا سائنسی فارمولہ "$C_{22}H_{24}N_2O_8$"

ہے۔ چوں کہ یہ دوائی متعدد بیماریوں کے خلاف مؤثر ہے۔ اس لیے اسے Broad Spectrum اینٹی بایوٹک کہا جاتا ہے۔ اس اینٹی بایوٹک کا بے دریغ استعمال دانتوں کا پیلاپن، کیلشیم کی کمی یا کیلشیم کو غیر متحرک کرنا، جلد (skin) پر کھجلی، جگر میں چکنائیوں کی پیدائش اور کانوں میں شور پیدا کرتا ہے۔ اس اینٹی بایوٹک کو "Benjamin M. Duggar" نے 1945ء میں متعارف کروایا۔ جب کہ 1950ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر "R.B.Woodward" نے اس کی کیمیائی ساخت کی وضاحت کی۔

بشپ

عیسائی مذہب کے مجاز و بڑے پادری کو اسقف یا بشپ (Bishop) کہا جاتا ہے۔ مذہبی اختیار سے یہ بڑی ذمہ دارانہ ڈیوٹی ہے۔ ان میں روم کے بشپ کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ انھیں پوپ "POP" کہا جاتا ہے۔ لفظ پوپ درحقیقت لاطینی زبان کے لفظ "PAPA" سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب ہے فادر یا باپ۔ باپ یا پوپ بشپ کے دفتر کو "Papacy" کہتے ہیں۔ عام

معاشرے کے مسائل کے حل، مذہبی تعلیمات، تنازعات کے حل، شادی بیاہ، سیاسی امور، بین المذاہب ہم آہنگی جیسے امور میں بشپ کا کردار اہم ہے۔ بشپ کا لباس بھی مخصوص ہوتا ہے۔ جس پر خاص نشانات ہوتے ہیں جن سے ان کی حیثیت، مرتبے اور مقام کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح خاص انداز کی ٹوپی بھی بشپ کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ بھی دل چسپ امر ہے کہ مشرقی اور مغربی بشپ کے لباس میں واضح فرق ہوتا ہے۔ جنتہ وار، ایسٹر اور کرسمس کے مواقع پر بشپ حضرات حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات، مذہبی نظریات اور شفائیہ دعائیں کرواتے ہیں۔

☆☆☆

بیٹا (باپ سے): "ابو مجھے ایک کار لے دیں۔"
باپ: "تم کار لے کر کیا کرو گے؟"
بیٹا: "میں کالج جایا کروں گا۔"
باپ: "خدا نے تمہیں دو پاؤں کس لیے دیے ہیں۔"
بیٹا: "ایک بریک پر اور دوسرا کلچ پر رکھنے کے لیے۔"

(ماہ حنیف، بہاول پور)

ایک دوست (دوسرے دوست سے): "ویسے گرمیوں کا ایک فائدہ تو ہے۔"
دوسرا دوست: "وہ کیا۔"
پہلا دوست: "سردی نہیں لگتی۔"

☆

ایک صاحب بڑے غصے سے دکان میں داخل ہوئے اور کہا کہ اس کوکنگ آئل کے ساتھ میرا فری گفٹ کہاں ہے۔
دکان دار: "یہ دیکھو ڈبے پر کیا لکھا ہے، کولیسٹرول فری۔"

(حذیفہ اختر، فیصل آباد)

اسپتال میں ایک مریض کا آپریشن ہو گیا۔ مریض بدستور اسپتال میں رہا۔ دو ہفتوں بعد پھر پیٹ چاک کر کے مریض کا آپریشن کر دیا گیا۔ تیسری بار ڈاکٹر نے آپریشن کے لیے ٹانکے کھولے۔ آپریشن کے بعد جب ڈاکٹر ٹانکے لگانے لگا تو
مریض بولا: "ڈاکٹر صاحب ٹانکے نہ لگائیں۔ زپ یا بٹن لگا دیں۔"

☆

مریضہ چلائی: "ڈاکٹر صاحب میری زبان دیکھیے، پانچ منٹ سے زبان نکالے بیٹھی ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "محترمہ بس اب زبان اندر کر لیں۔ آپ کے لیے نسخہ لکھنا تھا، وہ میں نے سکون سے لکھ لیا ہے۔"

☆

مریض (کمپاؤنڈر سے): "میں کافی عرصے سے مختلف جگہوں سے علاج کروا رہا ہوں۔ میرا واسطہ ایسے اناڑی ڈاکٹروں سے پڑا ہے، جن کی تشخیص تو ملیریا سے کی گئی لیکن وہ نمونیا سے فوت ہوئے۔"
کمپاؤنڈر: "آپ فکر نہ کریں ہمارے ڈاکٹر صاحب کے پاس جو ملیریا کے مریض آتے ہیں وہ ملیریا سے ہی مرتے ہیں۔"

☆

علی (اکمل سے): "انڈے کے فوائد بتاؤ؟"
اکمل: "ویسے تو انڈے کے بے شمار فائدے ہیں لیکن اگر انڈا امتحان میں مل جائے تو نئی کتابوں کا خرچ بچ جاتا ہے۔"

☆

سائنس کے پیپر میں سوال پوچھا گیا: "آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ زمین گول ہے؟"
لڑکے نے جواب میں لکھا: "چھت پر چڑھ کر دیکھ لو زمین گول ہے۔" پیپر مارکنگ ہونے کے بعد جب دوبارہ لڑکے کو پرچہ ملا تو نیچے لکھا تھا: "عینک لگا کر دیکھو تو نمبر بھی گول ہے۔"

☆

پہلا دوست: "بتاؤ دنیا میں پانی نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"
دوسرا دوست: "دودھ خالص ہوتا۔"

(مصباح صدف بشیر، جھنگ)

دو دوست شیخیاں مار رہے تھے۔ ایک بولا۔ "میں جنگل کے قریب ندی میں نہا رہا تھا کہ اچانک ایک شیر آ گیا۔ میں نے اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا، تو وہ بھاگ گیا۔"
دوسرے دوست نے پوچھا۔ "یہ کب کا واقعہ ہے؟"
پہلا دوست بولا۔ "گزشتہ اتوار کا۔"
دوسرا بولا۔ "تب تو ٹھیک ہے۔ اس دن وہ میرے گھر آیا تھا۔ میں نے اس کی مونچھوں کو ہاتھ لگایا تو وہ گیلی تھیں۔" (فیصل الیاس، لاہور)
ماں (بیٹے کو اخبار سے خبریں سناتے ہوئے): "ایک بھینس نے ایک اسکول ماسٹر پر حملہ کر دیا۔"
بیٹا (حیرت سے): "مگر امی، بھینس کو یہ کیسے پتا چلا کہ وہ اسکول ماسٹر ہے؟"

(ثاقب مجید، راولپنڈی)

☆☆☆

1- سفید ہاتھی اور سبز پر
بتاؤ سہیلی ورنہ جاؤ گھر

2- ہاتھ میں ڈنڈا نہ تلوار
ننھا سا ایک چوکی دار

3- جب بھی اس کو غصہ آئے
سب کو چھوڑ کر لکڑی کھائے

4- دیکھی ہم نے رات کی رانی
آنکھ سے اس کے ٹپکے پانی

5- دور دیس سے چل کر آیا
بن بولے سب حال سنایا

6- چڑھے ناک پہ پکڑے کان
بچو بولو کون شیطان

7- ایک تھال ہیروں سے بھرا
سب کے سر پہ اوندھا دھرا

8- موتی اس سے ایک نہ گرے
آنکھ کھلی تو ہیرے غائب

9- چلتی جائے ایک کہانی
سو برسوں تک نہ ہو پرانی

(ظلِ قطب، لاہور)

10- ایک کھیتی کی شان نرالی
فصل ہے سب کی دیکھی بھالی
کاٹو بے شک جتنی بار
آپ سے آپ ہو پھر تیار

11- راجا رانی کی کہانی
ایک دریا میں سات رنگ پانی

12- سات حرفی نام ہے اس کا
لوہے پہ چلنا کام ہے اس کا

(مصباح صدف مظفر، جھنگ)

جوابات: 1- مولی 2- تالا 3- آگ 4- موم بتی 5- خط 6- عینک 7- آسمان پہ تارے 8- آنکھ 9- ندی 10- بال 11- قوس قزح 12- ریل گاڑی

راستہ تلاش کریں

وہ چوراہے پر کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف گاڑیوں کا رش تھا۔ قطار در قطار کھڑی گاڑیاں اشارہ کھلنے کی منتظر تھیں۔ جس لائن کے سامنے کی سبز بتی روشن ہوتی، وہ قطار حرکت میں آ جاتی اور ہارن بجاتی گاڑیاں آہستہ آہستہ چلتی دوڑنے لگتیں۔ وہ چوک میں کھڑا ہوشیاری سے اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔ اسے خبر تھی کہ یہ رش کا وقت ہے اور اس کی ذرا سی غفلت ٹریفک جام ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ دفتر اور اسکول جانے والوں کی وجہ سے سڑکوں پر رش معمول سے زیادہ تھا۔ وہ سمجھ دار سپاہی تھا اور اسے ٹریفک پولیس میں کام کرتے دس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ بہ خوبی جانتا تھا کہ یہ رش چند گھنٹوں کا ہے یونہی اسکول کا وقت اور دفتری اوقات شروع ہوں گے۔ یہ رش بھی ختم ہو جائے۔ چوں کہ ہر فرد کو جلدی پہنچنے کی فکر ہے اس لئے ہر کوئی تیزی میں ہے۔ اسی تیز رفتاری کو وہ کنٹرول کر رہا تھا۔

اچانک اس نے دیکھا کہ ایک طرف سے موٹر سائیکل سوار آ رہا ہے جس کے پیچھے چار پانچ آدمی بھاگ رہے ہیں۔ اس کی تیز نگاہوں نے بھانپ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ضرور موٹر سائیکل سوار کوئی جرم کر کے بھاگا ہے اور آدمی اس کو پکڑنے کے لیے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ خیال آتے ہی وہ آگے بڑھا اور موٹر سائیکل سوار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ موٹر سائیکل سوار ابھی نوعمر ہی تھا اس کی عمر سولہ سترہ سال کے قریب تھی معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ابھی نئی نئی موٹر سائیکل چلانا شروع کی ہے۔

سپاہی کو سامنے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ جلدی جلدی موٹر سے نیچے اتر گیا۔ تب تک پیچھے بھاگنے والے آدمی بھی وہاں تک آ پہنچے تھے۔ "سر اسے پکڑیے یہ فاروق چوک میں ایک بچے کو موٹر سائیکل کے نیچے دے کر بھاگ آیا ہے۔"

ان میں سے ایک آدمی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

وہ ساری بات ایک پل میں سمجھ گیا تھا۔ ایسے معمولات سے تو روزانہ اس کا کئی مرتبہ واسطہ پڑتا تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ ایسے مسئلوں کو کیسے حل کیا جاتا ہے۔ موٹر سائیکل سوار کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی امیر خاندان کا لڑکا ہے اور موٹر سائیکل چلانا سیکھ رہا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ موٹی مچھلی ہے زیادہ نہیں تو پانچ سو روپے کہیں نہیں گئے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے! اب یہ میری گرفت میں ہے بچ کر کہاں جائے گا۔ تم لوگ جاؤ اپنا اپنا کام کرو میں خود ہی اس سے

نمٹ لوں گا۔ ورنہ آپ سب کو میرے ساتھ تھانے جانا ہوگا۔ تاکہ گواہی دے سکو۔ ہاں کون میرے ساتھ جائے گا؟"

یونہی اس نے کامیاب حربہ آزمایا۔ ایک ایک کرکے سارے وہاں سے ہٹ گئے وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی تھانے کچہری کے چکر میں نہیں پڑے گا۔

"ہاں بھئی تو نے کیا سڑک کو گراؤنڈ سمجھ رکھا ہے کہ آنکھیں بند کرکے موٹر سائیکل سیکھنے آگئے ہو اور جس بچے کو زخمی کرکے بھاگے ہوئے اس کا کیا بنے گا۔"

"سر وہ غ۔ ل۔ ل۔ ط۔۔۔۔"

"چپ کر سر کا بچہ۔۔۔۔"

سپاہی نے اسے سختی سے ڈانٹا۔ وہ اپنا ہر حربہ کامیابی سے استعمال کر رہا تھا۔

ایسے حربوں سے مجرم پر رعب ڈال کر اسے اور زیادہ پریشان کیا جاتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ پیسے دے۔

"سر وہ مجھ سے غلطی ہوگئی" لڑکے نے آہستہ آہستہ کہا۔

"غلطی ہوگئی ہے تو پھر سزا بھی بھگتو۔ جیل جاؤ گے تو پھر کبھی غلطی نہیں کرو گے"۔ لڑکے نے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور سپاہی کی مٹھی میں دے کر کہا۔

"سر میں آئندہ احتیاط کروں گا۔ آپ بہت اچھے ہیں یقیناً مجھے ایک موقع دیں گے۔"

"ٹھیک ٹھیک ہے آئندہ خیال سے موٹر سائیکل چلانا ورنہ۔۔۔۔"

"چلو بھاگ جاؤ۔۔۔۔" اس نے ڈانٹ کر کہا۔

لڑکے نے جلدی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کی لمبی قطار میں کہیں گم ہوگیا۔

☆......☆......☆

عزیز احمد پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ اس کی تنخواہ تو بس واجبی سی تھی مگر لینے دینے میں استاد تھا۔ گھر میں بن برستا تھا۔ اس کی بیگم تخت پر بیٹھی حکم چلایا کرتی تھی۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے ہمیشہ خرچ کا رونا روتی مگر سبھی جانتے تھے کہ ہر روز دو دو نئے جوڑے بدلنا، گھر میں نئی نئی چادریں بچھانا اور دھوم دھام سے تقاریب کرنا۔ آخر یہ سب کہاں سے آتا ہے۔ ویسے بھی عزیز احمد رعب داب کا آدمی تھا۔ سب منہ سے کچھ نہ کہتے تھے مگر دل ہی دل میں جلتے تھے کہ غریبوں کا مال مار کر گھر بھرا ہوا ہے اور پھر خود کو زاہد اور متقی کہلانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اپنے محلے تک کے آدمی اس کے عتاب سے نہیں بچے تھے۔ معمولی سا جھگڑا ہوا اور عزیز نے اپنی فیس پہلے آگے کر دی۔

قمر زمان بہت نیک اور پرہیزگار آدمی تھے۔ عزیز ان کی واحد نرینہ اولاد تھا۔ اپنے طور پر قمر زمان نے ان کی اچھی پرورش کی، انہیں کیا پتا تھا کہ ولی کے گھر سے شیطان نکلے گا۔ بیٹے نے زمانے کی ہوا کھا کر روپیہ اپنا دین وایمان بنالیا جب تک قمر زمان جیتے رہے وہ چھپ چھپ کر رشوت لیتا رہا۔ مرنے کے بعد باپ کا ڈر بھی نکل گیا۔ وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے محلے کا نہایت غیر پسندیدہ آدمی بن گیا تھا۔ عزیز احمد کا بھی ایک ہی بیٹا تھا۔ جسے وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اس روز وہ ڈیوٹی پر جانے سے پہلے وہ بیٹے کو پیار کرکے گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو بہت بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

☆......☆......☆

موٹر سائیکل سوار جب سے اسے پانچ سو روپے کا نوٹ دے کر گیا تھا۔ تب سے وہ بے چین تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ اس کا دل بار بار پانچ سو روپے کی طرف ہی جاتا، وہ صحیح طریقے سے اپنی ڈیوٹی بھی نہ کر پا رہا تھا۔ دل میں عجیب قسم کے وسوسے آرہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بُرا ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے ساتھ متعین دوسرے سپاہی سے کہا۔

"شبیر! تم ذرا ٹریفک کو کنٹرول کرو میں فاروق چوک سے ہو کر آتا ہوں۔" وہ جلدی جلدی اپنی موٹر بائیک پر فاروق چوک پہنچا تو وہاں لوگوں کا اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا۔ اسکول کے بچے اور چھ سات استاد جمع تھے، راہ چلنے والے لوگ بھی کھڑے تھے۔

"ہٹو ہٹو پیچھے ہٹو۔۔۔۔"

وہ لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

"سر ایک لڑکا موٹر سائیکل سوار آیا اور اس بیچارے کو۔۔۔۔" ایک آدمی نے تفصیل بتانا چاہی۔

"ہاں مجھے خبر ہے۔" عزیز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پیچھے ہو جاؤ، پولیس آگئی۔"

آدمیوں نے راستہ دے دیا۔

عزیز نے دیکھا ایک آٹھ نو سال کا بچہ اسکول کی وردی پہنے سڑک پر اوندھے منہ پڑا ہے۔ اس کے جسم سے بہنے والے خون نے کالی سڑک کو سرخ کر دیا تھا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر کانپ گیا۔

"آپ لوگ تماشا دیکھ رہے تھے کیا" اسے اسپتال کیوں نہیں پہنچایا دیکھتے نہیں کہ بچہ شدید زخمی ہے؟"

وہ تیزی سے کہہ رہا تھا۔

"سر یہ بچہ مر چکا ہے۔"

ایک آدمی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مر گیا....."

"ہاں سر! یہ لڑکا سڑک پار کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے موٹر سائیکل سوار اس سے آ ٹکرایا۔ موٹر سائیکل سوار بھاگ گیا اور لڑکا بے چارہ کچھ دیر تڑپنے کے بعد فوت ہو گیا۔ صاحب وہ موٹر سائیکل سوار اس چوک کی طرف گیا تھا۔" آدمی نے اس چوک کی طرف اشارہ کیا جہاں عزیز احمد ڈیوٹی دے رہا تھا۔

عزیز نے سنا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

"یا خدایا! یہ معاملہ اتنا بڑھ جائے گا۔ میں تو سمجھا تھا کہ لڑکا معمولی زخمی ہو گیا ہوگا۔"

وہ وہیں پر ساکت کھڑا تھا۔ اتنی دیر میں ایمبولنس بھی آ گئی تھی۔ کسی نے ایمبولنس والوں کو فون کر دیا تھا۔ عزیز نے دو آدمیوں کی مدد سے اوندھے منہ پڑے بچے کو سیدھا کیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اس کی آنکھیں پانی کے سیلاب بہانے لگی اور آہیں آسمان کا سینہ چیرنے لگیں۔ آس پاس کھڑے لوگ بھی پریشان ہو گئے۔

عزیز احمد روتے ہوئے کہنے لگا۔

"لوگوں میں لٹ گیا میں برباد ہو گیا..... ہائے میرا سہارا نہ رہا۔ میرا اکلوتا بیٹا مر گیا....."

وہ بیٹے کا سر اپنی گود میں رکھ کر روئے جا رہا تھا۔ لوگ جان گئے تھے کہ مرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ سپاہی عزیز احمد کا اکلوتا بیٹا راشد ہے۔ لوگ آگے بڑھے، انہوں نے عزیز احمد کو دلاسا دیا اور بچے کی لاش گھر لے آئے۔ گھر سے اسکول جانے والا بچہ وقت سے پہلے ہی لوٹ آیا۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ راشد کی والدہ پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے اور بہنوں کی آنکھوں سے روتے روتے پانی خشک ہو گیا تھا۔ اس کے گھر میں سینکڑوں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ خود عزیز بھی کئی آدمیوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ سب کے چہرے سوگوار تھے عزیز اتنے آدمیوں میں بیٹھا بھی اکیلا تھا، اس کا ذہن اب بھی پانچ سو روپے کے نوٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کیا میں خود اپنے بیٹے کا قاتل ہوں؟ دولت کے لالچ میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ میں نے موٹر سائیکل کا نمبر بھی نہ دیکھا۔ کیا اللہ نے مجھے رشوت لینے کی سزا دی ہے؟ تیزی سے اس کے دل میں خیال آ رہے تھے اور وہ چپکے سے بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔

☆☆☆

یہ ایک بھینسوں کا باڑہ تھا۔ دودھ فروش نے باڑے کے ساتھ دودھ رکھنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک بڑے سے کمرے میں دودھ کے برتن اور دہی کے برتن رکھے تھے۔ کچھ برتنوں میں کریم تھی۔ کریم کے برتن میں اچانک ایک مینڈک گر گیا۔ مینڈک نے برتن سے باہر نکلنے کے لیے کافی دیر تک کریم میں پاؤں مارے۔ وہ برتن سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

پیارے ساتھیو! آپ کو معلوم ہے کہ کریم سے بھی مکھن نکلتا ہے۔ اب مینڈک کے پاؤں مارنے سے کریم سے مکھن کے ڈھیلے بننے شروع ہوئے۔ آخرکار مینڈک کریم کے برتن سے باہر نکل آیا۔ بتائیے کیسے؟؟؟؟ تصویر کو غور سے دیکھیے اور جواب لکھ بھیجیے۔

نومبر کے کھوج لگائیے کا جواب: ”جس آدمی نے ٹریک سوٹ پہن رکھا تھا وہی بٹوے کا حق دار ہے کیوں کہ ٹریک سوٹ کی جیبوں میں بٹوہ تھا اور اسی کی جیب سے نکلا تھا۔“

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

1- محمد ابوبکر عارف قادری، کاموکی
2- فاطمہ فہیم، لاہور
3- کنزا اکرم، لاہور
4- گلناز عبدالرشید، لاہور
5- مدثر طاہر، راول پنڈی

صفائی کی عادت ڈالو

عمارہ حسن

"زین بیٹا ذرا الماری سے مجھے "سنہری کرنیں" اٹھا کر دینا۔" دادا جان نے کتاب کا نام بتاتے ہوئے زین کو حکم دیا۔

"جی اچھا دادا جان......" زین جواب دے کر کتابوں کی الماری کی طرف بڑھا۔

مطلوبہ کتاب ڈھونڈنے میں اس کو چند منٹ لگے۔ سب کتابیں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ ابھی اس نے کتاب اٹھائی ہی تھی کہ دوسری کتابیں دھڑام سے نیچے آ گریں۔ "اونہہ......" زین نے کوفت سے منہ بنایا۔

"ایک تو پتا نہیں ان کو مسئلہ کیا ہے؟ آرام سے شیلف پر بھی رہتیں۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"برخوردار......!" دادا جان نے عینک کے پیچھے سے زین کو گھورتے ہوئے دیکھا۔

شاید دادا جان نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

جلدی جلدی کتابوں کو ترتیب سے لگا کر، کتاب دادا جان کے حوالے کرتے ہی وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔

......☆......

"امی، امی...... میری قمیص نہیں مل رہی۔" زین زور زور سے امی کو آوازیں دے رہا تھا۔

"امی......" وہ کمرے کے دروازے پر آ کر چلایا۔

"آ رہی ہوں بھئی۔ کیوں پورا گھر سر پر اٹھایا ہوا ہے؟" امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خفگی سے کہا۔

"امی مجھے باہر جانا ہے مگر میری نئی قمیص نہیں مل رہی۔" زین جھنجھلایا ہوا تھا۔

الماری کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا، کچھ کپڑے الماری سے باہر لٹک رہے تھے اور کچھ زمین پر ایک ڈھیر کی صورت میں گرے ہوئے تھے۔ چند ایک الماری میں بے ترتیبی کی حالت میں پڑے اپنی ناقدری کا رونا رو رہے تھے۔

"ارے! یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے کمرے کی؟" امی نے بوکھلا کر کہا۔

"واہ واہ...... میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا ہے یہ کمرہ تو۔" پیچھے سے بھیا کی شوخ آواز آئی۔

"میرا کمرہ ہے، جیسا بھی ہو آپ کو کیا؟" زین جس کا منہ پہلے ہی پھولا ہوا تھا۔ مزید پھول گیا۔

"زین، بری بات۔" امی نے سرزنش کی۔ "ایسے نہیں بولتے

بڑوں کو۔"

"ویسے یہاں چور گھس آئے تھے کیا؟" بھائی جان نے سنجیدہ سی شکل بناتے ہوئے کہا؟

بستر کی چادر گدے سے کھسکتی کھسکتی بالکل ہی نیچے آچکی تھی۔ ایک چپل بستر کے پاس تھی تو دوسری غسل خانے کے پاس پڑی تھی۔ موزے صوفے کے نیچے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔

"کیا بنے گا اس لڑکے کا۔" امی زمین پر پڑے کپڑوں کے ڈھیر میں سے قمیص ڈھونڈتی ہوئی بڑبڑا رہی تھیں۔

"آملیٹ تو بن ہی جائے گا۔" بھائی جان شریر آواز میں بولے۔

"ہیں کیا......؟" امی بے خیالی میں بولیں۔

"وہ! مم...... میرا مطلب ہے کہ آملیٹ کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے، آملیٹ مل جائے گا آج؟"

زین گھورتی نگاہوں سے بھائی جان کو دیکھ رہا تھا، جنھیں شرارت سوجھ رہی تھی۔

"ہاں مل جائے گا۔" امی جان نے زین کو اس کی مطلوبہ قمیص پکڑاتے ہوئے کہا۔

☆......☆

کام ختم کر کے زین اپنے نوٹس فائل میں رکھ رہا تھا، بلکہ رکھ کیا ٹھونس رہا تھا۔

"برخوردار...... احتیاط سے ڈالو نوٹس، تم تو ایسے ٹھونس رہے ہو کہ جیسے فالتو گھانس پھونس کوئی بوری میں بھر رہا ہو۔ سب کاغذات خراب ہو جائیں گے۔"

"دادا جان دیکھیں ناں! یہ ٹھیک سے اندر جا ہی نہیں رہے، کب سے کوشش کر رہا ہوں۔"

"ادھر دکھاؤ......" دادا جان نے زین کے ہاتھ سے سب کاغذات لے کر ایک جگہ اکٹھا کیا، پھر فائل کو کھولا اور سلیقے سے کاغذات اندر رکھ دیے۔

"زین بیٹا! آپ کو پتا ہے کہ آپ ہر وقت چڑچڑے کیوں رہتے ہو؟" دادا جان نے زین کو بہ غور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کہ دادا جان! یہ شہنشاہ چڑو ہیں۔" بھائی جان کی انٹری بھی ہمیشہ غلط وقت پر ہوتی ہے۔

دادا جان مسکرانے لگے۔

"پتا نہیں کیوں دادا جان۔ ایک تو پڑھائی کی اتنی پریشانی اوپر سے میری چیزیں گم ہو جاتی ہیں۔ اتنا غصہ آتا ہے کہ نہ پوچھیں۔" زین نے منہ بنا کر کہا۔

"زین بیٹا...... چیزیں گم نہیں ہوتیں بلکہ آپ اپنی چیزیں اس کی درست جگہ پر نہیں رکھتے۔" دادا جان نے کہا۔

"کل آپ کو قمیص نہیں مل رہی تھی اور آپ پورے گھر میں چیخ چلا رہے تھے۔ اگر آپ اپنے کپڑے سلیقے سے الماری میں رکھیں تو آپ کو کبھی کسی چیز کے لیے چلانا نہ پڑے۔"

"دادا جان اتنے کام ہوتے ہیں کہ پھر دل ہی نہیں کرتا کہ الماری صاف کروں۔"

"جی جی پورے گھر کا کام آپ کو جو کرنا پڑتا ہے، جب ہی تو آپ تھک جاتے ہیں۔" بھائی جان بھلا کہاں موقع ہاتھ سے جانے دیتے۔

"میں تھک جاتا ہوں۔" زین نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

دادا جان نے اپنی الماری کا دروازہ کھولا اور بولے۔

"یہ دیکھو! یہ میری الماری ہے اور میں بوڑھا انسان اپنی چیزیں درست جگہ پر رکھتا ہوں۔ کہنے کو تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت نہیں۔ میں کیوں صفائی کروں؟ لیکن مجھے بے ترتیبی پسند نہیں۔"

دادا جان کی الماری سلیقے سے سجی ہوئی تھی۔ روزانہ پہننے والے قمیص شلوار تہہ کیے ہوئے ایک ساتھ رکھے گئے تھے۔ نئے کپڑے ہینگر میں لٹک رہے تھے۔ موزوں کی جوڑیوں کو آپس میں گرہ لگا کر دادا جان نے ایک تھیلے میں رکھا ہوا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر آرام سے نکالے جا سکیں۔

"واہ دادا جان واہ......" بھائی جان نے توصیفی انداز میں کہا۔

"واقعی دادا جان! آپ کی الماری بہت صاف ستھری اور پیاری لگ رہی ہے۔"

صرف الماری نہیں، میرا پورا کمرہ صاف ستھرا ہے کیوں کہ میں اپنی چیزیں جگہ پر رکھنے کا عادی ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ میری الماری یا کمرہ کبھی بے ترتیبی کا شکار نہیں ہوا۔ بالکل ہو جاتا ہے، مگر

میں وقت ملنے پر فوراً صاف کر لیتا ہوں۔ کیوں کہ بے ترتیبی انسان کو جھلاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

"جی دادا جان! آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔" بھائی جان جو خود بھی اپنی چیزیں سلیقے سے رکھتے ہیں، کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں زین کے کمرے والے غسل خانے میں گیا تو توتھ پیسٹ کا ڈھکن اترا ہوا تھا اور سب کپڑے، صاف اور گندے غسل خانے میں لٹک رہے تھے۔ یہاں تک کہ گیلا تولیہ تک باہر تار پر نہیں ڈالا گیا تھا۔

زین شرمندہ شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔

"بیٹا! صفائی ستھرائی رکھنے کا ایک حل یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس جو غیر ضروری چیزیں ہیں یا وہ کپڑے، جوتے اور دوسرا سامان جو آپ کے کام نہیں آتا وہ آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں۔ اس طرح کسی کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا جان۔" زین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھو، جب تک گھر کا ایک ایک فرد مل کر صفائی کا خیال نہ رکھے، گھر کی صفائی ممکن نہیں۔ آپ کی امی جان دن بھر کتنے کام کرتی ہیں۔ وہ تھک جاتی ہیں۔ کم از کم اپنا کمرہ تو آپ خود صاف رکھ سکتے ہیں کیوں ....؟ آج صفائی کی عادت اپناؤ گے تو ساری زندگی یہ عادت آپ کے اندر رہے گی۔ صاف ستھرے لوگ دور سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں ایک وقار اور ضبط نظر آتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک دادا جان۔ میں آئندہ سے اپنی چیزیں جگہ پر رکھوں گا تاکہ کسی کو میری وجہ سے پریشانی نہ ہو۔" زین نے کہا۔

"دادا جان۔" بھائی جان نے نعرہ لگایا۔

"زندہ باد۔" زین نے جواب دیا۔ ☆☆☆

میری بیاض سے ---

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

(انتخاب: احسن جاوید، جھنگ)

(بقیہ: ابابیل)

اس کو کھیتوں کے گرد پالا جاتا ہے۔ ابابیل کی کئی اقسام پالی بھی جاتی ہیں۔

اہم ترین بات:

ہمارے ہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی سورۂ فیل میں جس ابابیل کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی پرندہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی میں ابابیل چھوٹے پرندے کو کہا جاتا ہے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ جن پرندوں نے ابرہہ کی فوج پر کنکر برسا کر اسے برباد کیا تھا۔ وہ یہ ابابیل نہیں جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے بلکہ وہ کوئی اور ہی قسم کے چھوٹے چھوٹے پرندے تھے۔

★ ابابیل کو سب سے پہلے رومیوں نے پالنا شروع کیا اور ایک دور میں انہوں نے اسے کبوتر کی جگہ پیغام بھیجنے کے لیے بھی استعمال کیا تھا۔

★ ابابیل فضا میں موجود کیڑوں کو 10 سے 20 فٹ تک باآسانی دیکھ لیتی ہے۔

★ ابابیل کے کان بہت تیز ہوتے ہیں اور وہ 30 فٹ تک فاصلے پر کیڑوں کی حرکت کی آواز سن لیتی ہے۔

★ ابابیل کی اوسط عمر تقریباً 20 سال ہے۔

★ ابابیل پانی پینے کے لیے ندی یا تالاب کی سطح پر غوطہ لگاتی ہے اور بڑی تیزی سے اپنی چونچ میں پانی بھر کر اڑ جاتی ہے۔

★ ابابیل اپنی زندگی کا زیادہ حصہ پرواز میں بسر کرتی ہے۔

★ گھونسلے کی مٹی کے لیے نر اور مادہ ابابیل دن میں کم از کم 1000 چکر لگاتے ہیں۔

★ ابابیل پرواز کرتے ہوئے اپنے بچوں کو خوراک کھلا سکتی ہے۔

★ ابابیل خوراک کی تلاش میں روزانہ 400 کلومیٹر تک کا سفر کر سکتی ہے۔

امریکا میں سائنس دان ایک ایسے میزائل نظام پر تجربات کر رہے ہیں۔ جس میں طیارہ یا راکٹ ابابیل کی طرح سے پرواز کرتے ہوئے میزائل کے حملے سے بچے گا۔ امید کی جا رہی ہے کہ یہ نظام بہت جلد متعارف کروا دیا جائے گا۔

☆☆☆

چکی والے نے گائے کی کھال کو زمین پر پڑے دیکھا تو پوچھنے لگا۔ "مسافر...... تمہارے پاس یہ کیا ہے؟"

چھوٹا کسان بولا۔ "اس کے اندر ایک ایسا پرندہ ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کا حال بتاتا ہے۔"

"ارے واہ...... کیا یہ مجھے بھی کچھ بتا سکتا ہے۔" چکی والا حیرت سے پوچھنے لگا۔

"کیوں نہیں۔ جو پوچھو گے بتائے گا۔" چھوٹے کسان نے جواب دیا۔ پھر وہ کہنے لگا۔ "مگر یہ صرف چار باتوں کا جواب دے گا اور پانچویں خود بتائے گا۔"

چکی والا بے تابی سے بولا۔ "اسے کہو کچھ میرے متعلق بتائے۔"

چھوٹے کسان نے کوے کی گردن دبائی تو وہ درد کی شدت سے چلایا۔ "کائیں...... کائیں۔"

چکی والا پوچھنے لگا۔ "اس نے کیا کہا ہے؟"

چھوٹے کسان نے جواب دیا۔ "یہ کہہ رہا ہے تمہارے بستر کے نیچے گرما گرم چائے کی کیتلی ہے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" چکی والا چلایا اور لپک کر بستر کے نیچے جھانکنے لگا۔ اسے وہاں کیتلی مل گئی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"اسے کہو کچھ اور بتائے۔" چکی والا چلایا۔

چھوٹے کسان نے ایک دفعہ پھر کوے کی گردن دبائی اور اس کی کائیں کائیں سن کر کہنے لگا۔ "دوسری بات یہ ہے کہ سامنے رکھے چولہے کے پیچھے بھنا ہوا مرغ موجود ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی چکی والا اُچھلا اور بھاگ کر چولہے کے پیچھے دیکھنے لگا۔ وہاں اسے بھنا ہوا مرغ مل گیا۔ چکی والے کا منہ حیرت کے مارے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

چھوٹے کسان نے اپنا عمل جاری رکھا اور تیسری دفعہ کوے کی گردن دبائی۔ اس نے ایک بار پھر کائیں کائیں کی تو کہنے لگا۔

"تیسری بات سنو۔ یہاں سلاد الماری کے اندر موجود ہے۔"

چکی والے نے دیکھا تو الماری کے اندر سے سلاد کی پلیٹ بھی مل گئی۔ چھوٹے کسان نے کوے کی گردن چوتھی دفعہ دبائی اور اس کی کائیں کائیں سن کر کہنے لگا۔

"چوتھی بات یہ ہے کہ ایک کیک میز کے نیچے موجود ہے۔"

اس کی بات سن کر چکی والے نے میز کے نیچے تلاش کیا تو اسے کیک بھی مل گیا۔ پھر وہ دونوں مل کر یہ سب کھانے لگے۔

یہ ساری صورت حال دیکھ کر چکی والے کا ملازم بہت خوف

زدہ ہو گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ چھوٹے کسان کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوتی ہیں۔ وہ پچھلے کمرے میں ہی دبکا رہا۔

ادھر چکی والا پانچویں بات جاننے کے لیے بہت بے تاب ہو رہا تھا مگر چھوٹا کسان کہنے لگا۔

"پہلے چپ چاپ مزے سے یہ سارا کھانا کھاؤ کیوں کہ ضروری نہیں کہ پانچویں بات ان باتوں کی طرح مزے دار ہو۔"

لہٰذا وہ چپ چاپ کھانا کھاتے رہے پیٹ بھر کر کھانے کے بعد چکی والا بولا۔ "مسافر اب پانچویں بات بتاؤ۔"

اس کی بات سن کر چھوٹا کسان مسکرانے لگا اور بولا۔ "پانچویں بات جاننے کے لیے تمہیں مجھے کچھ رقم ادا کرنا ہوگی۔"

"کتنی رقم چاہیے ہو تم۔" چکی کا مالک بے تابی سے بولا۔

"تین ہزار سونے کی اشرفیاں۔" چھوٹے کسان نے موقع دیکھ کر اپنی مرضی کی قیمت بتا دی۔ چکی والے نے کچھ سوچا اور پھر دیوار میں بنی ایک الماری میں سے اشرفیوں کی ایک تھیلی نکالی اور گن کر تین ہزار اشرفیاں چھوٹے کسان کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ رقم لے کر چھوٹے کسان نے اپنے پاس محفوظ کیں اور ایک بار پھر کوے کی گردن دبائی تو وہ بُری طرح چلا اٹھا۔

"اب یہ کیا کہہ رہا ہے؟" چکی والا پوچھنے لگا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ ایک چور تمہاری الماری کے نچلے خانے میں چھپا بیٹھا ہے۔" چھوٹے کسان نے جواب دیا۔

اس کی بات سنتے ہی چکی والے نے لپک کر الماری کا نچلا پٹ کھول دیا۔ پٹ کھلتے ہی ملازم کا ساتھی چور باہر نکلا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے سرپٹ بھاگا۔ گھر کا بیرونی دروازہ پہلے ہی چھوٹے کسان نے چپکے سے کھول دیا تھا اس لیے چور کو وہاں سے بھاگنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ چکی والا دیکھتا ہی رہ گیا۔

"کیا تم یہ کھال مجھے دے سکتے ہو۔ یہ تو بہت کارآمد چیز ہے۔" چکی والے نے چھوٹے کسان سے پوچھا۔

"تم یہ کھال لے سکتے ہو مگر اس کے لیے تمہیں مجھے تین ہزار سونے کی اشرفیاں مزید دینا پڑیں گی۔" چھوٹے کسان نے کھال کی قیمت لگا دی۔

چکی والے نے فوراً اپنی تھیلی نکالی اور باقی کی اشرفیاں بھی چھوٹے کسان کے حوالے کر دیں۔ جنہیں اس نے فوراً محفوظ کر لیا اور کھال سر کے نیچے رکھ کر لیٹتے ہوئے بولا۔ "صبح اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہوئے میں تمہیں یہ کھال دے جاؤں گا۔" چکی والے نے کوئی اعتراض نہ کیا اور ایک طرف لیٹ کر سو گیا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ آخر یہ کھانے پینے کی چیزیں آئی کہاں سے تھیں۔ وہ تو بس کھال خرید کر خوش تھا۔ ملازم دوسرے کمرے میں اپنی جان بچنے پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ چھوٹے کسان نے اس کا نام نہیں بتایا۔

دوسری صبح پو پھٹتے ہی چھوٹا کسان گائے کی وہ کھال کوے سمیت چکی والے کے حوالے کر کے خود وہاں سے چلتا بنا اور اپنے گھر پہنچ کر سانس لیا۔ اس کے پاس اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کی بیوی بھی حیران رہ گئی کہ اس کا بدھو سا خاوند اتنی بڑی رقم کیسے کما لایا۔ چھوٹے کسان نے سونے کی ان اشرفیوں سے اپنے گھر کی تعمیر و مرمت کی اور آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ گاؤں کے دوسرے کسان اور اس کے بھائی بھی حیران تھے کہ چھوٹے کسان کے پاس آخر اتنی رقم کہاں سے آئی کہ وہ کام کے بغیر ہی عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب ان سے رہا نہ گیا اور وہ چھوٹے کسان سے بھی کچھ معلوم نہ کر پائے تو گاؤں کے سرپنچ کے پاس پہنچ گئے اور چھوٹے کسان کی شکایت کر دی۔

سرپنچ نے چھوٹے کسان کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ بتائے کہ اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔

چھوٹے کسان نے جواب دیا۔ "یہ تو کوئی راز نہیں ہے میں نے اپنی گائے کی کھال قصبے میں تین ہزار سونے کی اشرفیوں کے بدلے میں فروخت کی ہے۔"

"گائے کی ایک کھال..... تین ہزار سونے کی اشرفیوں کے بدلے.." وہاں موجود سب لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اتنی بڑی رقم سن کر ان کی بھی رال بہنے لگی اور وہ گھروں کو بھاگے تاکہ اپنے سارے مویشی اور جانور ذبح کر کے ان کی کھالیں اتاریں اور ان کو قصبے میں بیچ کر سونے کی اشرفیاں کمائیں۔

جب سارے اپنے جانوروں کو کاٹ کر ان کی کھالیں اتار چکے تو سرپنچ نے ان کو روک دیا اور کہنے لگا۔

"اتنی ساری کھالیں جب ایک دم قصبے میں پہنچیں گی تو شاید ان کی قیمت کچھ کم لگے۔ اس لیے سب لوگ رک جاؤ۔ سب سے پہلے میرا ملازم میری گائے کی کھال لے کر جائے گا اور بیچ کر آئے

گا اس کے بعد باقی سب لوگوں کی باری آئے گی۔"

اس کی یہ بات سن کر سب لوگ ناراض ہوتے اور مونہہ بنانے لگے مگر چوں کہ سرپنچ کے سامنے بول نہیں سکتے تھے اس لیے خاموش ہو گئے۔

جب سرپنچ کا ملازم قصبے میں پہنچا تو اس کو پورے بازار میں ایک کھال کے بدلے تین چاندی کی اشرفیوں سے زیادہ کچھ نہ ملا۔ اس کے بعد جو کھال فروخت کرنے آیا، اس کو تو اس سے بھی کم بولی لگی۔ قصبے کے لوگ کہنے لگے۔"ہم اتنی زیادہ کھالیں خرید کر کیا کریں گے۔"

چھوٹے کسان کے بھائیوں کو چھوٹے کسان پر بہت غصہ آیا کہ اس نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔ سونے کی اشرفیاں بھی نہ ملیں اور جانور بھی سارے کٹ گئے۔ اب وہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ لہٰذا وہ اس کو پکڑ کر سرپنچ کے پاس لے گئے۔ سرپنچ کو بھی چھوٹے کسان پر بہت غصہ تھا اس لیے اس نے باقی پنچایت کے ساتھ مل کر چھوٹے کسان پر مقدمہ چلایا اور عدالت نے چھوٹے کسان کو موت کی سزا سنا دی۔ فیصلے کے مطابق انہوں نے مٹی کے ایک بہت بڑے مٹکے میں سوراخ کیے اور چھوٹے کسان کو اس میں بند کر دیا۔ اب انہوں نے یہ مٹکا دریا میں بہا دینا تھا تاکہ اس میں موجود سوراخوں کے ذریعے مٹکے میں پانی بھر جائے اور وہ چھوٹے کسان سمیت دریا میں ڈوب جائے۔ مگر یہ مٹکا بہت بڑا تھا اور اس کے اندر چھوٹا کسان بھی بند تھا۔ ان کے لیے اس کو اٹھا کر دریا تک پہنچانا دشوار تھا۔ اس کام کے لیے ان کو ایک بیل گاڑی کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے سارے گائے بیل تو کھال بیچنے کے لالچ میں ذبح کر چکے تھے اس لیے اس کام کے لیے انہیں بیل گاڑی ساتھ والے گاؤں سے منگوانا پڑی۔ سب نے مل کر وہ مٹکا بیل گاڑی پر رکھا اور گاڑی والے سے کہا کہ جا کر اس مٹکے کو دریا کے پانی میں پھینک دے۔ خود وہ لوگ وہیں رک گئے۔ بیل گاڑی دریا کی طرف چل پڑی۔ کچھ دور جا کر چھوٹے کسان نے مٹکے کے سوراخوں سے جھانک کر دیکھا تو یہ دیکھ کر خوش ہو گیا کہ بیل گاڑی کا کوچوان وہی چور تھا جس کو اس نے چکی والے کے گھر سے بھگایا تھا۔ وہ اس کو پہچان گیا تھا۔

"ارے گاڑی والے سنو..... میں وہ شخص ہوں جس نے تمہیں الماری سے نکالا تھا اور چکی والے سے بچایا تھا اب تم مجھے اس مٹکے سے نکالو۔" گاڑی والا اس کی بات سن کر حیران رہ گیا اس نے گاڑی روکی اور مٹکے کا منہ کھول کر چھوٹے کسان کو باہر نکالا۔ چھوٹا کسان اس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

"گاؤں والے اور تمہارے بھائی پیچھے پیچھے آتے ہوں گے اگر ان کو پتا چل گیا کہ میں نے تمہیں مٹکے سے نکالا ہے تو وہ مجھے اس مٹکے میں بند کر کے ڈبو دیں گے۔" گاڑی والا پریشان ہو کر بولا۔

اس سے پہلے کہ چھوٹا کسان کوئی جواب دیتا وہاں سے ایک چرواہا بھیڑوں کا ایک ریوڑ لے کر گزرا۔ یہ وہی چرواہا تھا جس کو چھوٹا کسان جانتا تھا اور جس نے چھوٹے کسان کا لکڑی کا بچھڑا گم کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چھوٹا کسان اونچی آواز میں بولنے لگا۔

"نہیں..... میں یہ نہیں کروں گا چاہے ساری دنیا ہی مجھے کیوں نہ کہے یہ میں نہیں کر سکتا۔"

اس کی بات سن کر چرواہا قریب آ گیا اور پوچھنے لگا۔"ارے چھوٹے کسان تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تم کیا نہیں کرنا چاہتے۔"

چھوٹا کسان بولا۔"گاؤں کے لوگ مجھے سرپنچ بنانا چاہتے ہیں اس کام کے لیے انہوں نے مجھے اس مٹکے میں بند کیا ہے تاکہ مجھے دریا کے پانی سے غسل دے سکیں مگر میں سرپنچ بننا نہیں چاہتا۔"

چرواہا حیرت سے بولا۔"کیا سرپنچ بننے کے لیے اس مٹکے میں گھسنا ضروری ہے؟"

چھوٹا کسان بولا۔"اگر تم اس مٹکے میں گھس جاؤ تو تم سرپنچ بن جاؤ گے۔"

چرواہا لالچ میں آ گیا اور بنا کچھ سوچے سمجھے مٹکے میں گھس گیا۔ چھوٹے کسان نے مٹکے کا منہ پہلے کی طرح بند کر دیا اور خود چرواہے کا ریوڑ ہانکتا ہوا گاؤں کی طرف چل دیا۔ گاڑی والے نے چپ چاپ گاڑی ہانکی اور دریا کے کنارے پر لے گیا۔ اتنے میں گاؤں والے بھی دریا پر پہنچ گئے اور سب نے مل کر مٹکے کو پانی میں لڑھکا دیا۔ جب مٹکا لڑھکنے لگا تو اس کے اندر چرواہا خوشی سے چلانے لگا۔"میں بہ خوشی سرپنچ بننے کو تیار ہوں۔"

گاؤں والوں نے سمجھا یہ چھوٹا کسان ہے جو یہ سب کہہ رہا ہے اس لیے انہوں نے جواب دیا۔"ہم بھی یہی چاہتے ہیں مگر پہلے اس کا مزا چکھو۔"
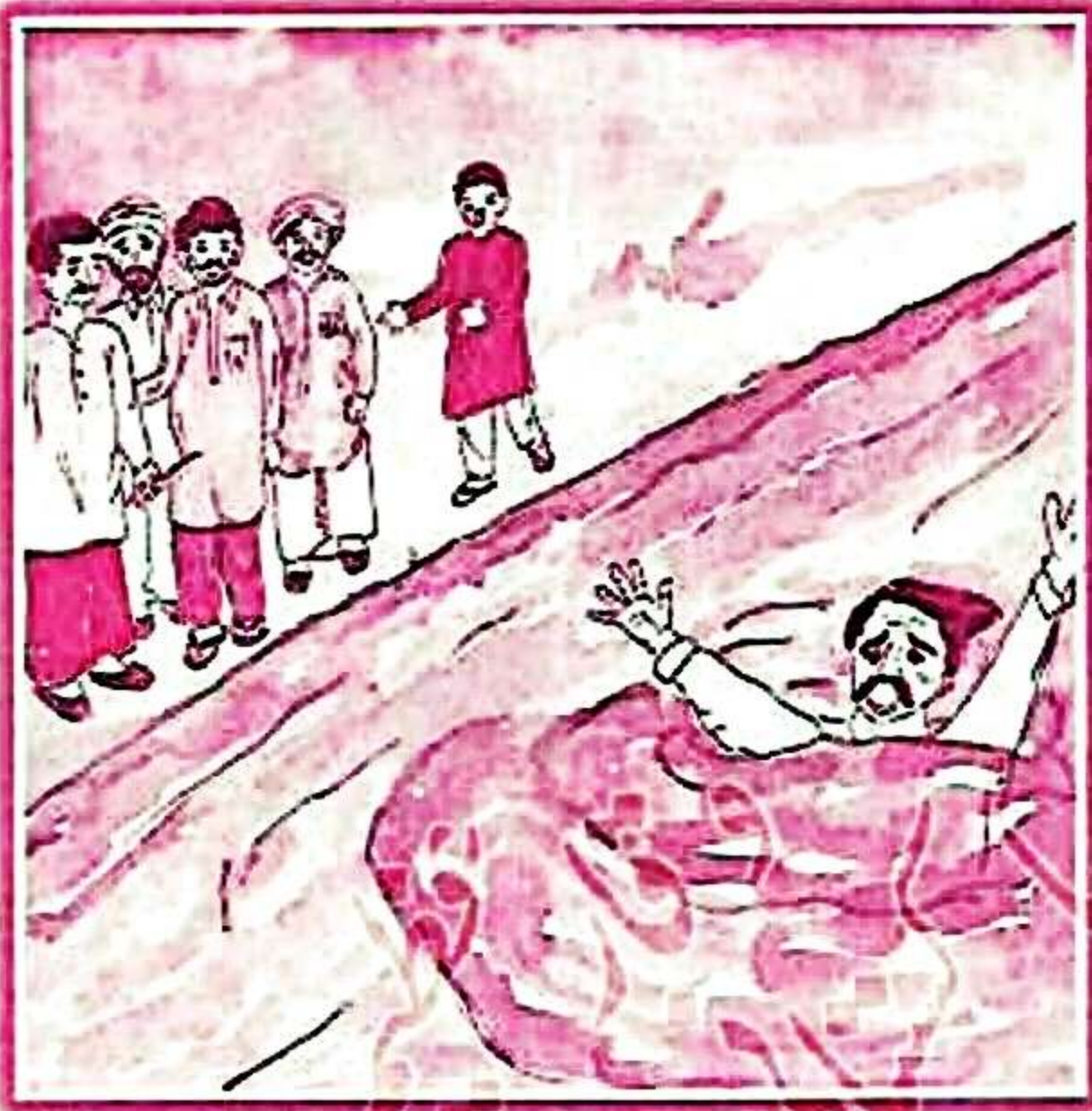
اس کے بعد گاؤں والے واپس چل پڑے۔ جب چھوٹے کسان کے بھائی اپنے گھر پہنچے تو ان کو چھوٹا کسان نظر آیا جو خوشی خوشی بھیڑوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ ہانکے اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے بھائی بہت حیران ہوئے اور بولے۔

"چھوٹے کسان!...... تم کہاں سے آ گئے۔ کیا تم پانی سے نکل کر آ گئے ہو؟"

"ہاں...... میں واپس آ گیا ہوں۔" چھوٹے کسان نے جواب دیا۔ پھر وہ بتانے لگا۔ "میں گہرا ڈوب گیا تھا اتنا گہرا کہ پانی کی تہہ تک پہنچ گیا۔ میں نے مٹکے کا منہ زور لگا کر کھولا اور باہر نکل آیا۔ وہاں خوب صورت ہری بھری چراہ گاہ نظر آئی جہاں ہر سو بھیڑیں چر رہی تھیں۔ جتنا ہو سکا اتنی بھیڑیں لے کر میں دریا سے نکل آیا۔"

اس کے بھائی حیرت سے پوچھنے لگے۔ "کیا وہاں اور بھیڑیں بھی ہیں؟"

"ہاں...... بہت زیادہ۔ اتنی زیادہ کہ تم شاید ان کی گنتی بھی نہ کر سکو۔" چھوٹے کسان نے جواب دیا۔

چھوٹے کسان کے بھائی لالچ میں اندھے ہو گئے اور اس کی بات کا یقین کر بیٹھے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود جا کر اپنے لیے بھیڑیں وہاں سے لائیں گے۔ یہ بات جا کر انہوں نے سرپنچ کو بھی بتا دی۔ وہ بھی لالچ میں آ گیا اور بولا۔ "پہلی باری میری ہے۔"

اگلے روز چھوٹے کسان کے چاروں بھائی اور سرپنچ سب دریا کے کنارے اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت نیلے آسمان پر بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے ان کا عکس دریا کے پانی میں پڑ رہا تھا۔ چھوٹا کسان پانی میں بننے والے بادلوں کے اس عکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ارے دیکھو...... وہ دیکھو پانی کی تہہ میں بھیڑیں نظر آ رہی ہیں۔"

سرپنچ ہجوم کو چیرتا ہوا سب سے آگے آیا اور بولا۔

"پہلے میں نیچے جاؤں گا، وہاں جا کر تم سب کو آواز دوں گا تو تم سب آ جانا۔" یہ کہہ کر اس نے دریا کے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ چاروں اس کے بلاوے کا انتظار کرنے لگے کہ وہ کب ان کو آواز دیتا ہے۔ پانی میں ڈوبتے ہی سرپنچ غوطے کھانے لگا اور جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس نے مدد کے لیے کنارے پر کھڑے لوگوں کو آوازیں دیں اور ہاتھ ہلائے تو انہوں نے سمجھا کہ وہ ان کو پانی کے اندر بلا رہا ہے اس لیے چاروں بھائیوں نے ایک ساتھ پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اب وہ ایک دوسرے کی کیا مدد کرتے خود ہی ڈوبنے لگے۔ اپنے لالچ کے ہاتھوں چاروں بھائی اور سرپنچ ایک ایک کر کے پانی میں ڈوب گئے۔

اب چھوٹا کسان اپنے بھائیوں کی ہر چیز کا مالک بن گیا تھا وہ بہت امیر ہو گیا تھا۔ سچ ہے کہ جو لالچ کرتا ہے اور کسی کا حق مارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سزا ضرور دیتا ہے۔

☆☆☆

قائداعظم محمد علی جناح اس لیے عظیم نہیں ہیں کہ وہ پاکستان کے بانی ہیں، بلکہ وہ اس لیے عظیم ہیں کہ وہ کردار و گفتار (قول) کے غازی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے پاکستان کی آزادی کا سہرا ان کے سر پر سجایا، مگر وہ تنہا اس سفر میں غازی نہیں تھے۔ ہر وہ شخص اور رہنما بھی پاکستان کا بانی ہے جس نے اس وطن کی آزادی کے لیے کوئی نہ کوئی ادنیٰ سا عمل بھی کیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح ایک باکردار انسان تھے۔ 1896ء میں جب وہ انگلستان سے قانون کی اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے وطن لوٹے تو انہوں نے بمبئی (موجودہ ممبئی) میں وکالت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ کسی بھی وکیل کو کام کے آغاز میں مقدمات ملنا مشکل ہوتے ہیں، کیوں کہ ہر مؤکل (جو مقدمے کی پیروی کرے) کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنا مقدمہ کسی پرانے اور منجھے ہوئے وکیل کو دے، تاکہ اسے کامیابی نصیب ہو۔ نوجوان محمد علی وکیل کے پاس ابھی مقدمات آنے شروع نہیں ہوئے تھے۔ قائداعظم دن بھر کورٹ میں دیگر وکیلوں کے مقدمات کے دوران جرح سنتے اور شام کو اپنے دفتر میں فارغ بیٹھے قانون کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے۔ اس دوران وہ مؤکلوں کا انتظار بھی کرتے۔ مگر انہیں مقدمات ملنے کے آثار کم ہی تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ کمیشن پر مقدمہ دلوانے کی پیش کش لے کر آتے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ہمیشہ دوٹوک جواب دیا اور کہا۔ "میں ایسا نہیں کروں گا۔ ایسا کرنے سے بہتر ہے کہ میں بھوکا رہوں۔"

قائداعظم ہمیشہ ایسے مقدمات لیتے جن میں انہیں یقین ہو کہ میرا مؤکل حق پر ہے اور اسے انصاف دلایا جائے۔ انہوں نے کسی ایسے مقدمے کی پیروی کبھی نہیں کی جس میں انہیں ذرا سا بھی شبہ ہوتا۔ ایک مہاراجہ (کسی ریاست کا سربراہ) نے انہیں اپنا مقدمہ لڑنے کو کہا اور اس کی فیس ایک لاکھ روپے تک ادا کرنے کی پیش کش بھی کی۔ قائداعظم کی نظر میں مقدمے کی نوعیت مشکوک تھی۔ انہوں نے صاف طور پر منع کرتے ہوئے کہہ دیا، میں وکیل ہوں۔ دلال نہیں۔"

پاکستان کے معروف بیورو کریٹ قدرت اللہ شہاب سے ایک واقعہ منسوب ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران کانگریسی وزیراعلیٰ نے ایک خفیہ گشتی مراسلہ اپنے لوگوں کو بھیجا۔ اس سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ قدرت اللہ شہاب مسلمان اور مسلم لیگی ہونے کے ناتے اس خفیہ مراسلے کی نقل لے کر قائداعظم محمد علی جناح کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ قائداعظم کو اس مراسلے سے کانگریسی ذہنیت بے نقاب کرنے میں مدد ملے گی۔ قائداعظم ایک اصول پسند آدمی تھے۔ انہوں نے قدرت اللہ شہاب کو شاباش دینے کے بجائے نصیحت کی کہ آئندہ اپنی سرکاری دستاویزات کو کبھی یوں عام نہ کرنا۔ خفیہ کاغذات کی حفاظت ہی تمہاری ذمہ داری ہے اور تم اس کے پابند ہو۔

قائداعظم کی اصول پسندی کا یہ واقعہ بھی نمایاں ہے کہ راجستھان کے ایک مندر کے سلسلے میں دو ہندو پارٹیوں میں جھگڑا چل رہا تھا۔ ایک پارٹی نے مقدمے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح

کو وکیل نامزد کرنا چاہا اور بطور فیس دو لاکھ روپے ادا کرنے کی پیش کش کی، مگر قائداعظم نے انکار کر دیا اور کہا کہ مقدمے کے روز مجھے اسمبلی میں تقریر کرنی ہے۔ اس روز قائداعظم کی تقریر صرف دس منٹ کی تھی۔ انہوں نے اصولوں کی خاطر لاکھوں کی فیس ٹھکرا دی۔

ملک غلام نبی قائداعظم کے جان نثاروں میں سے تھے۔ انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ "پاکستان بننے کے بعد یوسف ہارون (سر عبداللہ ہارون کے بڑے صاحب زادے) کے گھر پر ایک پارٹی تھی جس میں میاں بشیر احمد (نظم ملت کا پاسبان ہے محمد علی جناح کے خالق) مسعود کھدر پوش (بیوروکریٹ) سید ہاشم رضا (کراچی کے ڈپٹی کمشنر) تھے۔ قائداعظم نہایت کمزور ہو چکے تھے اور بالکونی میں بیٹھے تھے۔ ملک غلام نبی نے ان سے کہا آپ نے مسلمان قوم کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا: "آزادی پکے ہوئے پھل کی طرح تو ہماری جھولی میں کبھی نہیں گرتی۔ اس کے لیے کسی مرحلے پر قربانیاں تو دینی ہوتی ہیں۔ اب آپ لوگوں کو کام، کام اور صرف کام کرنا ہوگا۔ اس ملک کو اتنا مضبوط کر دو کہ تم دنیا میں شایان شان طریقے سے زندگی گزار سکو اور اپنی عظمت کا لوہا منواؤ۔"

قائداعظم فضول خرچی کے روادار نہیں تھے۔ جب وہ پاکستان کے گورنر جنرل بنے تو ایک روز دوپہر کے کھانے کے پر ایک مہمان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ میز پر اب قائداعظم، محترمہ فاطمہ جناح اور مہمان سمیت تین افراد تھے۔ نوجوان اے ڈی سی نے کھانے کے بعد پلیٹ میں چار سیب رکھ کر پیش کیے۔ مہمان کے جانے کے بعد قائداعظم نے اے ڈی سی کو بلایا اور ناراض لہجے میں کہا: "آپ کو بتایا گیا تھا کہ لنچ پر جتنے بھی لوگ ہوں، ان کے حساب سے ایک ایک سیب رکھا جائے۔ آج کھانے پر مہمان صرف ایک تھا، میں اور میری ہمشیرہ تھیں۔ تین لوگوں کے لیے تین سیب ہونے چاہئیں تھے۔ پھر میز پر چوتھا سیب کیوں رکھا گیا۔ آپ نے نہ صرف میرے حکم سے لاپروائی کی بلکہ پیسے کا اسراف (زیادہ خرچ کرنا) بھی کیا۔ لہٰذا اے ڈی سی کو معافی اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی یقین دہانی کرانی پڑی۔

جولائی 1943ء کی ایک گرم دوپہر قائداعظم اپنے بنگلے میں قائم دفتر میں کام میں مصروف تھے کہ ایک اجنبی کسی بہانے سے آیا اور اس نے چاقو سے قائداعظم پر حملہ کر دیا۔ قائداعظم نے اپنے ہاتھ سے اس کا وار روکا۔ اتنے میں چوکی دار نے حملہ آور کو قابو کر لیا۔ اس واقعے کے فوراً بعد عید آئی۔ لوگوں کا ایک ہجوم قائداعظم سے ملنے ان کے بنگلے پر پہنچا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ قائداعظم ان سے ملنے گھر سے باہر نہ نکلیں، نہ جانے ان میں کیسے لوگ شامل ہوں اور خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔

قائداعظم نے اس موقع پر فرمایا: "جو دس کروڑ مسلمانوں کا قائد کہلائے اور پھر اپنی قوم سے عید کے دن بھی ملنے کی جرأت نہ رکھے کیا وہ دس کروڑ مسلمانوں کی قیادت کر سکتا ہے؟ اس وقت متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ ہی تھی۔ قائداعظم یہ کہہ کر اٹھے اور بنگلے سے باہر آ کر مجمع میں چلے گئے۔ قائداعظم بلا خوف ہر ایک سے ہاتھ ملاتے رہے اور انہیں عید کی مبارک باد پیش کی۔

قیام پاکستان کے بعد گورنر جنرل قائداعظم سے ملنے کے لیے مسلم لیگی کارکن آئے۔ ملاقاتی روم میں قائداعظم آدھا گھنٹہ لیٹ آئے۔ قائداعظم جیسے وقت کے پابند انسان سے تاخیر کی توقع حیران کن بات تھی۔ قائداعظم نے آتے ہی کہا: "معاف کرنا، میرے اے ڈی سی نے آپ کو نماز کے وقت بلا لیا...... مجھے نماز کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" یہاں سوچنے کی بات ہے کہ معافی گورنر جنرل کے مرتبے کا انسان مانگ رہا تھا۔

تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم نے مسلم لیگ فنڈ کے لیے اپیل کی تو ہر روز کئی لوگ منی آرڈر اور خطوط بھیجنے لگے۔ منی آرڈر فارم پر رقم وصول کرنے والے کو دستخط کرنا لازمی ہوتے ہیں۔ قائداعظم ہر منی آرڈر پر خود دستخط کرتے۔ وہ بار بار اپنی انگلیوں کو سہلاتے اور پھر دستخط کرنا شروع کر دیتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ اس کام پر کسی اور کو مامور کر دیجیے۔ قائداعظم نے نہایت ملائمت سے جواب دیا: "فنڈ کی اپیل میں نے ہی کی ہے اور لوگ میرے اعتماد پر پیسے بھیجتے ہیں۔ اس لیے رسید پر مجھے ہی دستخط کرنے چاہئیں۔"

قائداعظم نے کام یاب رہ نما کے لیے تین صلاحیتوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ (دل) Heart and (کھلا ہاتھ) Hand، (ذہانت) Head

انہوں نے خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اچھے رہ نما کو ذہین اور باشعور ہونا چاہیے۔ دوسری صفت وہ تنگ دست نہ ہو، کیوں کہ تنگ دستی اور محتاجی صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے اور ایسا رہ نما جلد بک جاتا ہے۔ تیسری خوبی اس میں مضبوط دل یعنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ غلط کو منہ پر غلط کہہ سکے اور اتنے کھلے دل کا ہو کہ خود پر بھی تنقید برداشت کر سکے۔ ☆☆☆

درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت ہفتہ کے کس روز میں ہوئی؟

i۔ جمعہ کے دن ii۔ پیر کے دن iii۔ اتوار کے دن

2۔ نبیؐ کے کس نام کا لغوی مطلب "ممدوح" (تعریف کیا ہوا) ہے؟

i۔ احمدؐ ii۔ سید المرسلینؐ iii۔ محمدؐ

3۔ نبی کریمؐ کی ولادت کے دن شاہی محل ایوان کسریٰ کے کتنے کنگرے گرے تھے؟

i۔ چودہ کنگرے ii۔ پندرہ کنگرے iii۔ سولہ کنگرے

4۔ فائر پروف اور واٹر پروف کاغذ کس نے ایجاد کیے؟

i۔ نیوٹن ii۔ گلیلیو iii۔ جابر بن حیان

5۔ روس کے کس شہر کو "پانچ سمندروں کی بندرگاہ" کہا جاتا ہے؟

i۔ تاس ii۔ ماسکو iii۔ سینٹ پیٹرز برگ

6۔ قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

i۔ دل ii۔ دماغ iii۔ گاڑھا مغز یا گودا

7۔ "ہندوستان چھوڑ دو" کے جواب میں "تقسیم کرو اور چھوڑ دو" کا نعرہ کس نے لگایا تھا؟

i۔ گاندھی ii۔ قائداعظم iii۔ چوہدری رحمت علی

8۔ حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش کس ہجری میں پیدا ہوئے؟

i۔ 200ھ ii۔ 300ھ iii۔ 400ھ

9۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بانگِ درا سے لیا گیا ہے۔ دوسرا مصرع بتائیے:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ....

10۔ قائداعظم کے مزار کے لیے سنگ مرمر کہاں سے آیا تھا؟

i۔ کراچی ii۔ مردان iii۔ پشاور

جوابات علمی آزمائش نومبر 2017ء

1- کلمہ ردِ کفر 2- اقلیدس 3- وکٹوریہ جھیل 4- بیڈن پاؤل 5- حفیظ جالندھری 6- 8 نومبر 1884ء 7- شبلی نعمانی 8- مرشد 9- مسلم لیگ 10- بالِ جبریل

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

☆ زنیرا ہارون، نوشہرہ (150 روپے کی کتب)

☆ حسنین محمود، ایبٹ آباد (100 روپے کی کتب)

☆ ماہ رخ، کراچی (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی: حاذق شاہد، اسلام آباد۔ محمد ابراہیم، واہ کینٹ۔ عزیر رائے خالد زاہد، کمالیہ۔ عدن سجاد، جھنگ۔ صبغت اللہ، گوجرانوالہ۔ اعجز خان، نوشہرہ۔ محمد سلمان عبداللہ، چنیوٹ۔ محمد عمر، چکوال۔ صدف آسیہ، کراچی۔ نعمان اکرم، اوکاڑہ۔ ریاض حسین قمر، منگلا ڈیم۔ غزالہ حبیب، ماندلیانوالہ۔ ملک محمد احسن، راولپنڈی۔ حلیم اسحاق، جہلم۔ فاخر زمان، کرک۔ علینا اختر، کراچی۔ محمد اسعد عبداللہ قادری، حسن رضا سردار دمنی، محمد ابوبکر عارف قادری، حلیمہ کنان، خدیجہ کنان، نفیسہ فاطمہ قادری، عائشہ فاطمہ قادری، نور حسین قادری دمنی، نازیہ اعظم قادری، کاموکی۔ طلحہ قطب، شاہ زیب ذیشان، فاطمہ مظہر، ارمش مبشر، ولید اشرف، دانیہ ضرار، آئزہ طاہر، ماہ نور مدثر، ہانیہ آصف، ہارون یوسف، کاشف شبیر، شبنم سرور، اقراء شفیق، سعدیہ رمضان، فاطمہ تحریم، کائنات ریاض، زویا نعیم، سائرہ ظفر، طیبہ سلطان، ماریہ کلثوم، کونین تنویر، علیزہ حیدر، اقراء اسلم، آمنہ عبدالمجید، رمشا حنیف، رمشا جنید، سائرہ عبدالغفار، فائزہ ارشد، طیبہ تحریم، یاسمین شہباز، رمشا غلام حسین، مطیع الرحمٰن، صفی الرحمٰن، منال فاطمہ، لاہور۔ احسن خان، کوئٹہ۔ درشمین، کراچی۔ نازنین اقبال، ڈیرہ غازی خان۔ سدرہ حسنین، گجرات۔ احسن اقبال، منڈی بہاؤ الدین۔ صالحہ کوثر، صائمہ کوثر، گوجرانوالہ۔ احمد کامران، کلثوم زہرہ، لاہور۔ عمران حسین، ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد احمد، محمد احسن، لاہور۔ گل ہما، کوئٹہ۔ تانیہ رحمان، فیصل آباد۔ فیصل حیات، کراچی۔ روشان فیض، تلہ گنگ۔ آصف اقبال، سیالکوٹ۔ آمنہ اصغر، ملتان۔ آسیہ زوہیب، پشاور۔ گل زمان خان، کوئٹہ۔ ریاض ارشد، ڈیرہ غازی خان۔

اپنی چوکھٹ

مریمہ نور، سیال کوٹ

"ہر وقت گھر کے آگے کوڑے کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ ذرا خیال نہیں دوسروں کا۔ اپنے گھر کا کوڑا دوسرے کے در پہ ڈال دیتے ہیں۔ حد ہے۔" مرینہ غصے میں زور زور سے چلا رہی تھی۔ "کیا ہوا مرینہ بیٹی کیوں چلا رہی ہو؟" دادی اماں لاٹھی ٹیکتے ہوئے کمرے سے باہر آئیں۔ "کچھ نہیں دادی ناک سڑ گیا ہے کوڑے کی بدبو سے۔" "ہوں! تبھی تو منہ سے دھواں نکل رہا ہے۔" دادی نے مسکراتے ہوئے کہا تو مرینہ بھی مسکرا دی۔ "ایک گلاس پانی تو پلا نا۔" دادی نے مرینہ کو ٹھنڈا ہوتے دیکھ کر کہا۔ "ابھی لائی دادی۔" مرینہ پانی لائی تو دادی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ دادی نے پانی ختم کر کے کہا: "کیا ہو گیا اگر کوڑا پھینک دیا کسی نے تو۔ تم علی کو کہو بیلچہ اور جھاڑو لے کر اکٹھا کر دے اور کوڑے دان میں ڈال آئے۔" "لیکن دادی ہم کیوں اٹھائیں دوسروں کا کوڑا ان کو خود احساس ہونا چاہیے۔" مرینہ نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی پھینکنے والے نے تو پھینک دیا اگر اب وہ کوڑا ہماری چوکھٹ گندی کر رہا ہے تو اس کی صفائی بھی ہمیں کرنی ہو گی۔" "ہوں یہ تو ہے۔" مرینہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "پر دادی کیا لوگ خود ڈرم میں کوڑا نہیں ڈال سکتے۔ گلی کے نکڑ پر ہی تو ہے۔ اب اتنی بھی کیا سستی کہ ہمارے گھر کے سامنے کی نالی کے ساتھ لگا دیتے ہیں جو پھیلتا پھیلتا گھر کے دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔"

"مرینہ بیٹی ہمیں اپنی گلی درست رکھنی چاہیے۔ کیا معلوم ہمسائیوں کو ڈرم تک جانے میں کوئی مشکل درپیش آتی ہو۔" مرینہ کو دادی کی بات بہت عجیب لگی۔ بھلا ڈرم میں کوڑا ڈالنا یہاں پھینکنے سے مشکل ہے کیا؟ اس نے دل میں سوچا۔ "اور ویسے بھی ہمیں اپنی چوکھٹ صاف رکھنی چاہیے چاہے وہ کسی کے پھینکے کوڑے سے ہی کیوں نہ گندی ہوئی ہو۔" دادی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا دادی! میں علی سے کہوں گی سمیٹ کر ڈرم میں ڈال آئے۔" مرینہ نے دادی کی بات سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ "اور مرینہ بیٹی ایک اور بات بہت اہم ہے۔" "وہ کیا دادی؟" "وہ یہ کہ ہمیں اپنے گھر کے دروازے کی طرح اپنے دل کی چوکھٹ کی صفائی کا دھیان بھی رکھنا چاہیے۔" "وہ کیسے؟" مرینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ "دیکھو بیٹی! جب ہم کسی کے بارے میں بدگمان ہوتے ہیں تو ہمارے دل کی چوکھٹ پر کوڑا جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اگر ہم وہ بدگمانی بڑھا چڑھا کر دوسروں کے دل میں بھی ڈالیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اپنے گھر کا کوڑا دوسرے کے گھر کے آگے ڈال دیں۔"

"دادی! ہم اپنے دل کو کیسے صاف رکھ سکتے ہیں؟"

"خود کو بدگمانی سے بچا کر اور کسی کی خطاؤں کو درگزر کر کے ڈرم میں ڈال کر۔" دادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مرینہ نے سر ہلایا۔

"بیٹا! اپنے گھر کی صفائی سے زیادہ دل کی صفائی لازمی ہے۔ گھر کا کوڑا تو گھر ہی میں رہتا ہے مگر دل کا کوڑا الفاظ بن کر کئی دلوں کو گندا کرتا ہے اور رشتوں کو بدحرہ بنا دیتا ہے۔" "جی دادی!" مرینہ نے توقف کر کے کہا۔ "آئندہ میں خیال رکھوں گی گھر کی چوکھٹ کی صفائی کا بھی اور دل کی چوکھٹ کی صفائی کا بھی۔"

"شاباش! بیٹی شاباش۔" دادی جان خوش ہوتے ہوئے بولیں۔ "چلو اب تم علی سے کہو کہ باہر سے کوڑا سمیٹ دے۔" "جی دادی! ابھی کہتی ہوں۔" مرینہ اٹھتے ہوئے بولی اور دادی نے اپنا ہاتھ مرینہ کے سر پر پھیرا۔ "جیتی رہو۔"

غلط فہمی...... ایک منفی جذبہ

پہلا انعام: 195 روپے کی کتب

رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

ہم میں سے اکثر لوگ کبھی نہ کبھی کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر اوقات ایک عقل مند، پڑھا لکھا اور باشعور انسان بھی غلط فہمیاں پال لیتا ہے۔

غلط فہمی سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ دوسروں کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو چاہے زبانی طور پر یا عملی

طور پر تو ایسے آدمی سے ہوشیار رہیں اور اپنے معاملات کو صحیح رکھنے کی کوشش کریں تاہم بلاوجہ کی غلط فہمیاں پالنا ٹھیک نہیں اس طرح ہمارا رویہ منفی ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آج جب شہزاد گھر آیا تو امی سے بولا۔ "امی! میں نے آج ریاضی کے ٹیسٹ میں دس بٹا دس نمبر لیے ہیں لیکن ہماری جماعت کا پراکٹر لڑکا جو اول بھی آتا ہے اس کے آٹھ بٹا دس نمبر تھے۔ اف! امی، کیا بتاؤں، وہ سارا وقت اتنا گم صم اور پریشان بیٹھا رہا کہ جیسے مجھ سے حسد کرنے لگا ہو کہ میں نے ٹیسٹ میں زیادہ نمبر کیوں لے لیے۔ میں نے بھی زیادہ بات نہیں کی۔ ہونہہ! اچھا ہوا۔"

شہزاد کی امی بولیں۔ "ہاں بیٹا! اچھا کیا تم نے۔ یہ بڑا ہی حاسدی اور گھمنڈی لڑکا لگتا ہے۔"

اس طرح شہزاد کی غلط فہمی کو اس کی امی نے مزید تقویت دی۔ حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ پراکٹر کے ابو کی طبیعت رات بھر خراب تھی جس کی وجہ سے وہ صحیح ٹیسٹ نہ دے سکا اور ٹیسٹ کے بعد بھی اسے اپنے ابو یاد آتے رہے اور وہ ان کے لیے پریشان رہا۔

اس طرح ایک اور واقعہ ہے کہ عطا کی ترقی ہوئی۔ اس کے سبھی دفتری ساتھی اس کے گھر مبارک باد دینے آئے لیکن ظفر نہ آیا۔ ظفر بھی اس کا دفتری ساتھی تھا۔

اب عطا یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہا ہے کہ ظفر اس کی پروموشن سے جل رہا ہے، اس لیے اس کے گھر نہیں آیا۔ حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ جس وقت عطا کی پروموشن کا سب کو پتا چلا، ظفر تھوڑی دیر پہلے دفتر سے ہاف ڈے لے کر جا چکا تھا۔ اسے عطا کی پروموشن کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔

تو ساتھیو، غلط فہمی پالنا اچھی بات نہیں ہے اپنے دل و دماغ کو غلط فہمیوں سے پاک رکھیں۔ اگر کوئی بات ذہن میں کھٹک رہی ہو تو متعلقہ بندے سے جا کر معاملہ صاف کر لیں۔ آپ بہت پرسکون رہیں گے۔

دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

صفائی نصف ایمان

تنزیلہ یوسف۔ لاہور

"یہ کیا کر رہی ہو؟" گراؤنڈ کی جانب خالی ریپر اچھالتی عافیہ ایک دم ہی گڑبڑا گئی۔ "کیا ہوا؟ میں نے کیا کیا ہے؟" عافیہ پریشانی کے عالم میں بولی۔

"چپس کھا کر خالی ریپر گراؤنڈ میں کیوں پھینک رہی ہو؟" ثناء ٹوکتے ہوئے بولی۔

"اتنا تو گندا ہو رہا ہے گراؤنڈ میرے ایک پیکٹ سے کیا ہو جائے گا؟" عافیہ بھی عافیہ تھی، توجیہہ پیش کی۔

"فرض کرو تم گھر میں ہو گیا تب بھی ایسے ہی کچرا کوڑے دان میں ڈالنے کی بجائے کہیں بھی پھینک دو گی؟" ثناء نے عافیہ سے پوچھا۔

"کیوں؟ میں بھلا کیوں اپنے گھر میں کچرا پھیلاؤں گی؟ امی سے الگ ڈانٹ پڑے گی۔" عافیہ چونک کر بولی۔

"یہی تو میں تمھیں سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ جیسے ہم اپنے گھر میں گند نہیں ڈالتے اسی طرح اپنے اسکول، محلے، گلیوں، بازاروں کو صاف رکھنا بھی ہم پر شہری ہونے کے ناطے فرض ہے۔" ثناء نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

"مگر میں تمہاری بات ابھی بھی نہیں سمجھی کہ میرے ایک پیکٹ سے کیا ہو جاتا ہے، جب کہ اسکول میں صفائی کے لیے ملازم بھی ہیں۔" عافیہ ابھی بھی ثناء کی باتوں سے الجھی ہوئی تھی۔

"مانا کہ یہ سارا کچرا تمہاری وجہ سے نہیں پھیلا، مگر تم نے اس میں اپنا حصہ تو ڈال دیا ناں! اسکول میں صفائی کے لیے کام کرنے والے ہیں مگر کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں کہ ہم خود صفائی کا خیال رکھیں تاکہ ان پر بلاوجہ کام کا دباؤ نہ بڑھے۔ ہم میں سے اگر ہر کوئی یہ سوچنے لگے کہ میرے ذرا سے گند ڈالنے سے کیا ہوتا ہے تو یہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برت رہے ہیں۔"

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

آزادی کے طلب گار

شکیلہ جمیل احمد، حافظ آباد

فارغ اوقات میں انسان جو شغل کرتا ہے وہ مشغلہ کہلاتا ہے۔ دنیا میں انسان بے شمار مشغلے اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح ارحم کا منفرد اور پسندیدہ مشغلہ پرندوں کو پالنا تھا۔ اس کے پاس ہر قسم کے پرندے اور پرندوں کی تصویروں کے بہت سے البم تھے۔ جب بھی امی یا ابو اسے کسی کام کے لیے بلاتے تو وہ اپنے پرندوں کے پاس بیٹھا ہوتا۔ امی سمجھاتی کہ بیٹا ان پرندوں سے زیادہ تمہاری پڑھائی ضروری ہے لیکن وہ سنی ان سنی کر دیتا۔ آج مہمانوں کی آمد کی وجہ سے امی فرش صاف کرتی ہوئی پھسل گئیں۔ جس کی وجہ سے ان کی ٹانگ پر چوٹ بھی لگی۔ وہ ارحم کو بلاتی رہیں تاکہ وہ انہیں دوا لا

دے لیکن جب اس نے ایک نہ سنی تو خود اٹھیں اور جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس سے ٹیوب نکال کر لگائی۔ جب درد سے تھوڑا آرام ملا تو فرش صاف کرنے کی بجائے ارحم کے پاس گئیں جو اس وقت اپنے پرندوں کو دانہ ڈال رہا تھا۔ امی نے بغیر کچھ کہے ارحم کو ایک زوردار تھپڑ لگایا اور بولیں کہ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا، نہ پڑھائی پر توجہ اور نہ کسی کے دکھ کی نہ سکھ کی، ہر وقت پرندے پرندے۔ آج ہی یہ پرندے جہاں سے آئے ہیں ادھر ہی جائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے امی نے ارحم کے کمرے کا زور سے دروازہ لگایا اور باہر چلی گئیں۔ ارحم کو تھپڑ کی بجائے پرندوں کے بارے میں کہے گئے الفاظ پر زیادہ دکھ ہوا اور پھر جی بھر رویا۔ شام کو جب ابو گھر آئے تو ارحم کو کھانے کی میز پر موجود نہ پا کر بہت حیران ہوئے کیوں کہ ابو کے آنے سے پہلے ہی ارحم کھانے کی میز پر بیٹھا ہوتا۔ جب امی سے وجہ معلوم ہوئی تو ابو فوراً بازار گئے اور جب گھر آئے تو ان کے پاس سنہری پروں والا خوب صورت پرندہ تھا۔ جو ابو نے آتے ہی ارحم کو دیا۔ ارحم خوب صورت پرندہ پا کر پھولا نہ سما رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی کھانے کی میز پر آ گیا اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

سالانہ امتحان نزدیک آ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کے ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ حسب معمول آج اس کا انگریزی کا ٹیسٹ تھا۔ ارحم جب بھی کتاب کھولتا ہر بار اس کی توجہ کا مرکز خوب صورت پرندے بن جاتے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا پھر اس نے قریبی لائبریری کا رخ کیا۔ اس وقت لائبریری میں چند نوجوان کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے خاموشی کی وجہ سے ارحم نے جلدی ٹیسٹ یاد کر لیا۔ گھر آتے وقت اس کی نظر لائبریری میں موجود کتاب پر پڑی جو پرندوں کے بارے میں تھی۔ اس لیے ارحم نے لپک کر کتاب کو پکڑا اور پڑھنا شروع کیا۔ اس کتاب میں لکھا تھا کہ: "بلاشبہ پرندے کھلے آسمان تلے چہچہاتے ہی اچھے لگتے ہیں۔ لیکن آج کل پرندوں کو قید کیا جا رہا ہے۔ جس طرح انسان آزادی چاہتا ہے اسی طرح پرندے بھی آزادی چاہتے ہیں۔ وہ بھی کھلے آسمان تلے چہچہانا اور قدرت کے خوب صورت نظاروں سے لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ انسان اپنی چھوٹی سی خواہش کے لیے انہیں قید کر لیتا ہے۔ کائنات کا حسن پرندے ہی ہیں۔ جو اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم ان معصوم جانوں کو اسی طرح قید کرتے رہے تو کائنات کا حسن و خوب صورتی ختم ہو جائیں گے۔ یہ تو کھلے آسمان تلے چہچہاتے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

ارحم کتاب پڑھ رہا تھا اور اس کا ضمیر بولتا جاتا کہ ارحم تو ان معصوم جانوں پر ظلم کر رہا ہے انہیں آزاد کر دے اور ان سے دعا لے۔ ارحم نے کتاب واپس رکھی اور تیزی سے گھر کی طرف قدم بڑھائے تاکہ جلد از جلد ان معصوم پرندوں کو جو آزادی کے طلب گار ہیں انہیں آزاد کر دے۔

چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب

غبارہ

عارف محمد عارفین، لاہور

"یہ دیکھو غبارہ ہ ہ ہ۔" ہم نے ایک عدد غبارہ پھلا کر چھوٹے بھائی بلال کے سامنے شرارت سے لہرایا۔ پھر ساتھ ہی اس غبارے کا منہ تھوڑا سا ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"پھرر... ررر..... پھرو۔" کی آواز کے ساتھ غبارے کی ہوا نکل گئی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے دودھیا دانت ٹوٹنے میں چند سال باقی تھے۔ جب کہ ہمارے بھائی کے دودھیا دانت پورے ہونے میں چند ماہ باقی تھے۔

"مجھے بھی دو۔" ہمارا بلال بھائی صاحب کو چڑانے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ ہمارے پیچھے لپکے۔ انہیں اپنے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ہم بھی دوڑے۔ ہم نے دوڑ کر پورے کمرے کا چکر لگایا اور گھوم کر بستر پر چڑھ گئے۔ بلال کے لیے اپنے چھوٹے وجود کو لے کر بستر پر چڑھنا اتنا ہی مشکل کام تھا، جتنا کے ٹو پہاڑ پر چڑھنا۔ اس لیے ہم نے بستر پر کھڑے ہو کر ایک بار پھر غبارے میں ہوا بھر کر ان کے سامنے لہرانے کی کوشش کی۔ مگر اس سے پہلے کہ غبارہ پھولتا بلال صاحب کے ٹو پہاڑ یعنی بستر پر چڑھ چکے تھے۔ انہیں بستر پر کامیابی سے چڑھتے دیکھ کر ہم نے بستر کے دوسرے سرے پر دوڑ لگائی اور سرے پر پہنچتے ہی چھلانگ لگا دی:

"دھم۔" ہمارے نیچے گرنے کی آواز آئی۔

"آہ۔" ساتھ ہی ایک اونچی کراہنے کی آواز نے بھی ہمارے منہ مبارک سے نکل کر دھم کی آواز کا ساتھ دیا۔ آخر کو وہ بستر ہمارے لیے بھی پہاڑی سے کم اونچا نہیں تھا۔

ہم نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہیں سکے۔ بلال ہمارے

پاس آیا اور غبارہ چھین کر بھگانے لگا۔ ہم نے اٹھ کر غبارہ اس سے واپس چھیننا چاہا مگر اٹھ نہیں سکے۔

"اوئی ی ی ی۔" اٹھنے کی کوشش میں ہمارے منہ سے کراہنے کی آواز نکل گئی۔ ہمارے بازو میں درد ہو رہا تھا۔

علی بھائی جو ہمارے قریب ہی کھیل رہے تھے۔ انھوں نے ہماری والدہ کو کچن میں جا کر بتایا:

"دانش بستر سے نیچے گر گیا ہے۔ اس کو چوٹ لگی ہے۔"

امی جان ہاتھ میں بیلن لیے دوڑی آئیں اور ہمیں اٹھا کر بٹھایا۔ ہمیں بٹھاتے ہی امی جی سر پکڑ کر لیٹ گئیں۔

"ارے یہ امی یہاں راستے میں کیوں لیٹ گئیں۔" ہم نے سوچا اور کراہے:

"ہائے اللہ۔"

ہمارے تایا جان گھر پر ہی تھے۔ انھوں نے ہمیں اٹھایا اور اسپتال پہنچے۔ اسپتال پہنچنے کے بعد ہمیں یاد نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا کہ ہم بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو ہمارے بازو پر ایک بڑا سا پلستر بندھا ہوا تھا۔

"ہائیں یہ کیا۔" ہم نے معصومیت اور حیرانی سے امی سے پوچھا۔

"بیٹا...! بستر سے چھلانگ لگانے کی وجہ سے آپ کی کہنی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اس لیے آپ کا آپریشن ہوا ہے۔" امی نے بتایا تو ہم حیران و پریشان رہ گئے۔

بھائی کو چڑا کر بھاگنے کی چھوٹی سی شرارت کی سزا ہم نے تین دن اسپتال میں رو کر کاٹی۔

جس دن ہم واپس گھر پہنچے بلال ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: "یار...! وہ تمہارا غبارہ مجھ سے پھٹ گیا تھا۔ میں نیا غبارہ لوں گا، تو تمھیں دے دوں گا۔"

"تم نے میرا غبارہ پھاڑ دیا۔" ہم نے غصے میں اس کے پیچھے لپکنے کی کوشش کی لیکن بازو پر بندھے پلستر کے وزن کے باعث بھاگ نہیں سکے۔

اس بار بلال ہمیں شرارتی انداز میں دیکھ کر چڑا رہا تھا۔

خواب کی تعبیر

پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی رعایا اس سے خوش نہ تھی کیوں کہ بادشاہ بے حد کنجوس تھا۔ اپنی ذات اور خاندان کے سوا کسی پر ایک پائی بھی خرچ نہ کرتا لہٰذا اشد ضرورت کے وقت بھی عوام اس کے در پر دستک نہ دیتی۔ بادشاہ ہونے کے باعث کوئی اسے کچھ نہ کہتا۔ ایک دن یوں ہوا کہ بادشاہ کی بیگم نے نیا لباس خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ سلامت اور ملکہ عالیہ شہر کے مہنگے ترین بازار میں زرق برق ملبوسات خریدنے اکٹھے پہنچے۔ بالآخر ایک نوجوان کی دکان سے نہایت بیش قیمت لباس پسند کیا گیا۔ رواج کے مطابق نوجوان دوسرے دن قیمت وصول کرنے محل میں پہنچا تو بادشاہ سلامت جاہ و جلال میں آ گئے اور کہنے لگے کہ "تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ محل آ کر کچھ تقاضا کرو؟" مزید ستم یہ کہ نوجوان کو پہرہ داروں سے دھکے لگوا کر باہر پھنکوا دیا۔ غریب دکان دار بددعائیں دیتا ہوا روانہ ہوا۔ اسی رات بادشاہ اچانک نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دراصل بادشاہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس میں اس نے خود کو فقیروں کے حلیے میں پایا تھا۔

اگلے ہی روز وزراء اور مشیران تعبیر ڈھونڈنے میں مشغول ہو گئے۔ اطلاع ملی کہ جنگل کے کنارے بہنے والی ندی کے پار ایک بزرگ رہتے ہیں جو کہ نہایت دانا و حکیم ہیں۔ بادشاہ فوراً اپنے محافظوں اور وزیروں کے ساتھ بزرگ کی کٹیا میں پہنچا اور خواب بیان کیا۔ بزرگ خواب سن کر مسکرا دیے اور پوچھنے لگے۔ "کیا تم تعبیر میں موجود احکام پر عمل کرو گے؟" بادشاہ جو کہ بہت پریشان تھا اسی وقت منت سماجت اور وعدے وعید کرنے لگا۔ بزرگ بولے۔ "بادشاہ سلامت اقتدار اور اختیار انسان کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اگر اس کو صحیح استعمال کرو گے تو فلاح پاؤ گے ورنہ بُری حالت اور بُرے اعمال کے ساتھ رب کے روبرو پیش کیے جاؤ گے۔" یہ سن کر بادشاہ اور وزراء دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

پیارے بچو! بادشاہ نے اسی روز خزانوں کے منہ عام لوگوں کے لیے کھول دیے اور کنجوسی چھوڑ کر سب کا مددگار و غم گسار بن گیا۔ آج بھی لوگ اس کو رحم دل بادشاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اعزازی کہانی: ایمان مجتبیٰ ملک، فیصل آباد

دنیا میں شیروں کی نسلیں آہستہ آہستہ غائب ہوتی جا رہی ہیں اور آج کل یہ جانور افریقہ، بھارت مشرقی پاکستان، ملایا اور ہند چینی کے علاقوں میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ افریقہ اور بھارت میں شیروں کے شکار کرنے والے بہت سے شکاریوں نے اپنے اپنے تحیر خیز تجربات بیان کیے ہیں اور ان ملکوں میں پائے جانے والے شیروں پر کتابیں لکھی ہیں لیکن ہند چینی کے وسیع و عریض گھنے جنگلوں میں بہت کم شکاریوں کو شکار کے لیے جانے کا موقع ملا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خطرناک دلدلی میدان کثرت سے ہیں جنہیں عبور کرنا آسان نہیں۔ اسی لیے ہند چینی کے شیروں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں، حالاں کہ یہاں کا شیر طاقت، ہوشیاری، پھرتی اور درندگی کے اعتبار سے دوسرے خطوں میں پائے جانے والے شیروں سے پیچھے نہیں۔ شیر ہند چینی کے ہر علاقے میں موجود ہے اور اس کی دو قسمیں مشہور ہیں: ایک رائل (Royal) دوسری مارش (Marsh)۔ مارش انگریزی میں دلدل کو کہتے ہیں اور چوں کہ یہ شیر زیادہ تر دلدلی خطوں میں رہتا ہے، اس لیے اسے مارش کہتے ہیں۔ مرکزی ویت نام کے جنگلوں میں بھی یہ شیر پایا جاتا ہے اور ندیوں سے مچھلیاں پکڑ پکڑ کر کھانا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ شیر کی اونچی چھلانگ اتنی زیادہ نہیں، جتنی لمبی چھلانگ وہ سولہ سے بیس فٹ تک چوڑی ندی ایک ہی جست میں عبور کر جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات تیس فٹ تک چھلانگ لگا سکتا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ شیر ایک پہاڑی ٹیلے پر کھڑا تھا، نیچے سے ایک بکرا گزرا۔ شیر نے چھلانگ لگائی اور بکرے کو دبوچ لیا۔ میں نے بعد میں یہ فاصلہ ناپا تو تیس فٹ نکلا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ شیر آرام کر رہا ہو، تو زیادہ بھاری اور سست نظر آتا ہے، لیکن خطرے اور شکار کے وقت اس کا جسم چست اور ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس کی قوت چھاتی اور اگلے دو پیروں میں چھپی ہوتی ہے۔ وہ دائیں پنجے کی ایک ہی ضرب سے کئی من وزنی بیل کو آسانی سے پرے پھینک دیتا ہے۔ شیر کے پنجے اور دانت اس کا دوسرا بڑا ہتھیار ہیں جن سے وہ شکار کو ادھیڑ ڈالتا ہے۔

ہند چینی کا شیر ناک سے لے کر دم تک ساڑھے چھ فٹ لمبا اور ساڑھے تین فٹ اونچا ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں سات سات فٹ لمبے شیر بھی دیکھے گئے ہیں۔ اس کا وزن ساڑھے تین سو پونڈ سے لے کر پانچ سو پونڈ تک ہے، لیکن میں نے انہی جنگلوں میں ایک ایسا شیر مارا جس کی لمبائی سات فٹ دو انچ اور وزن 570 پونڈ سے زائد تھا۔ اس شیر نے انسان پر کبھی حملہ نہیں کیا، البتہ وہ پالتو بھینسوں، بیلوں اور بکریوں کا جانی دشمن تھا۔ رات کو چپکے سے

بستی میں آتا، آگ کا جلتا ہوا الاؤ پھلانگ کر کسی باڑے سے بکری یا گائے کو منہ میں دبا کر لے جاتا۔ اس کی قوت کا اندازہ یوں لیجیے کہ وہ موٹی تازی کئی من وزنی بھینس کو نہایت آسانی سے پانچ چھ میل دور گھنے جنگل میں گھسیٹ کر لے جاتا تھا۔ ایک روز اس نے حسب عادت بیل کو ہلاک کیا اور جنگل میں لے گیا۔ مجھے اس حادثہ کی اطلاع ملی، تو میں اسی وقت جنگل کی طرف روانہ ہو گیا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد بیل کی لاش ڈھونڈ لینے میں کام یاب رہا۔ شیر لاش میں سے ابھی کچھ کھانے بھی نہ پایا تھا۔ غالباً اسے موقع ہی نہ ملا ہوگا، بہرحال میں نے اس کی فطرت کا اندازہ کرتے ہوئے بیل کی لاش گاڑی پر لدوائی اور اسی جگہ لا کر رکھ دی جہاں شیر نے بیل کو ہلاک کیا تھا۔ شیر کی جرأت اور نڈرپن ملاحظہ ہو کہ وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا اور اس نے بستی تک ہمارا تعاقب کیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لاش کہاں لیے جا رہے ہیں۔

یہ ذکر سوئی لک گاؤں کا ہے جو سائیگون سے 75 میل دور جنگل کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اس شیر کی ہلاکت خیز سرگرمیاں ان دنوں عروج پر تھیں اور وہ آئے دن کسی نہ کسی جانور کو پکڑ کر لے جاتا تھا۔ کئی مرتبہ وہ دن کے وقت سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں آ جاتا اور آدمیوں کے چیخنے چلانے کے باوجود اپنا شکار منہ میں دبا کر بھاگ جاتا۔ اس بیل کو بھی شیر نے صبح صبح بہت سے کسانوں کے سامنے ہلاک کیا تھا۔

میں خود ایک درخت پر رائفل لے کر بیٹھ گیا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ دور دور ہٹ جائیں۔ شیر بیل کی لاش سے تیس چالیس فٹ دور جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ کئی مرتبہ اس نے سر باہر نکال کر ارد گرد دیکھا، لیکن جوں ہی میں فائر کرنے کے لیے نشانہ لیتا، وہ دوبارہ جھاڑیوں کے اندر چلا جاتا۔ اس نے اسی طرح دو گھنٹے گزار دیے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیل کو دوبارہ لے جانے کے لیے بے چین ہے۔ بہت دیر تک جب اس کا چہرہ نظر نہ آیا تو میں نے خیال کیا کہ وہ مایوس ہو کر جا چکا ہے لیکن اس نے مکاری سے کام لیا اور چپکے چپکے لمبا چکر کاٹ کر اس درخت کی عین پشت پر آن پہنچا جس پر میں بیٹھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شیر دس فٹ اونچی چھلانگ نہیں لگا سکے گا، لیکن اپنی غیر معمولی قوت کے باعث وہ کام یاب ہو گیا اور اس سے پیشتر کہ میں خبردار ہوتا، شیر کا دایاں پنجہ میری رائفل پر پڑا اور رائفل میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں اڑتی ہوئی دور جا گری۔ شیر اب غصے سے بُری طرح دھاڑ رہا تھا۔ میں جان بچانے کے لیے درخت کی اونچی شاخوں پر چڑھ گیا۔ چند لمحے گرجنے کے بعد شیر نے بیل کو کھانا شروع کر دیا جب تک وہ پیٹ بھرتا رہا، میں بے بس ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا تو وہیں بیٹھ کر سستانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے میری موجودگی کی ذرا برابر پرواہ نہیں۔ میں لرز رہا تھا کہ اگر سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے گھر واپس نہ پہنچا، تو اپنا خاتمہ یقینی ہے۔ جنگل

میں حشرات الارض کثرت سے تھے اور کسی بھی لمحے کوئی زہریلا سانپ مجھے ڈس کر موت کے منہ میں بھیج سکتا تھا۔

ابھی میں اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک کسان اپنے مویشیوں کو لے کر ادھر آ نکلا۔ اس نے شیر کو نہیں دیکھا لیکن شیر نے اسے دیکھ لیا، مگر کچھ نہ کہا اور نہ اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت محسوس کی۔ میں نے کسان کو آواز دی تو وہ رک گیا۔ جلدی جلدی اسے سارا قصہ سنایا اور رائفل تلاش کرنے کی ہدایت کی، لیکن شیر کی ہیبت سے وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے انکھیوں سے دیکھا، شیر اپنی آنکھیں بند کیے آرام کر رہا تھا۔ جان پر کھیل کر میں خود درخت سے اترا اور رائفل تلاش کی۔ شیر کا دھڑکا ہر آن لگا ہوا تھا۔ خدا خدا کر کے رائفل ایک جھاڑی میں اٹکی ہوئی نظر آئی۔ رائفل ہاتھ میں آتے ہی شیر اپنی جگہ سے اٹھا اور جھاڑیوں میں گھس گیا اور ہاتھ ملتا رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیر کی چھٹی حس کچھ زیادہ ہی طاقت ور ہے جو اسے خطرے سے فوراً خبردار کر دیتی ہے۔

تین روز بعد پتا چلا کہ موذی اس مرتبہ سوئی لک کے میٹر کا گھوڑا اٹھا کر لے گیا ہے۔ میٹر نے مجھے بلایا اور اس کا قصہ پاک کرنے کو کہا۔ ہم دونوں ہتھیار لے کر شیر کے سراغ میں روانہ ہوئے۔ دن کے بارہ بجے تھے کہ ہم نے گھوڑے کی کھائی ہوئی لاش کے بچے کھچے حصے ایک جگہ پڑے پائے۔ شیر کے پنجوں کے نشان بھی جا بہ جا دکھائی دیے لیکن شیر کا کہیں پتا نہ تھا۔ یکایک میٹر کا کتا بھونکنے لگا۔ اب تو ہمیں یقین ہو گیا کہ شیر آس پاس موجود ہے۔ واقعہ یہ تھا لیکن اس کی کھال کا رنگ گھاس سے کچھ اس طرح مل گیا تھا کہ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے فوراً نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ گولی شیر کی گردن میں لگی۔ ہول ناک گرج کے ساتھ وہ اچھلا اور ایک طرف بھاگا۔ میں نے دو فائر اور کیے اور شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

یہ شیر ابھی آدم خور بننے نہ پایا تھا، اس لیے آسانی سے ہلاک ہو گیا، ورنہ آدم خور ہونے کے بعد جب تک ساٹھ ستر آدمی ہڑپ نہ کر لیتا، ہرگز مارا نہ جاتا۔ میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں، ان دنوں سانگون کے گرد و نواح میں پانچ آدم خوروں نے اپنی خون آشام سرگرمیوں سے بڑی دہشت پھیلا رکھی تھی۔

ہند چینی کے جنگلوں میں رہنے والے شیر شاذ و نادر ہی آدم خور بنتے ہیں اور برسوں بعد ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شیر یا شیرنی کسی خاص حادثے کے باعث مردم خوری پر اتر آئے، ورنہ یہ درندے انسانوں کو تنگ نہیں کرتے۔ عورتیں اور بچے کھلے بندوں بے خوف و خطر ندی نالوں پر نہانے اور پانی بھرنے جاتے ہیں۔ اگر راہ میں شیر سے آمنا سامنا ہو جائے تو شیر فوراً راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

لوگوں کے پاس آدم خوروں سے نجات حاصل کرنے کا جادو ٹونے کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ جوں ہی کسی آدم خور کی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے اور وہ چند دن کے اندر اندر دس پندرہ آدمی ہڑپ کر جاتا ہے۔ بستی والے بھاگے بھاگے "جادوگر" کے پاس جاتے ہیں۔ جو کچھ وہ طلب کرتا ہے، اسے دیتے ہیں اور وہ "جنگل کی بدروح" سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ رائفل یا بندوق تو جادوگر کے پاس ہوتی نہیں، کچھ انوکھی تدبیریں اور عجیب سے ہتھکنڈے ضرور جانتا ہے جن کی مدد سے وہ آدم خور کو ہلاک کرنے میں کام یاب ہو جاتا ہے لیکن اس کارنامے کے عوض وہ لوگوں سے اس قدر غلہ، کپڑا اور دوسری چیزیں لے لیتا ہے کہ وہ کئی برسوں کے لیے کافی ہوتی ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہند چینی کے کسی بھی جنگل میں اگر کوئی شیر آدم خور بن جائے تو وہ اپنے قریب رہنے والے دوسرے شیروں کو بھی آدم خور بنا دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ ان کا ایک گروہ تیار ہو جاتا ہے اور پھر یہ آدم خور سارے علاقے میں تباہی اور بربادی پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اور ایک ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کے لیے کوئی خوف اور کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ دن دہاڑے بستیوں پر آن پڑتے ہیں اور باری باری اپنا انسانی شکار منہ میں دبا کر جنگل میں بھاگ جاتے ہیں۔ ایک دو مہینوں میں بستیاں اُجاڑ اور ویران ہو جاتی ہیں۔ لوگ دُور دراز علاقوں میں پناہ حاصل کرتے ہیں۔ اس قسم کے نازک حالات میں جادوگروں کا جادو بھی کام نہیں آتا اور بعض اوقات جادوگر ہی شیر کا نوالہ بن جاتا ہے۔

چند سال ہوئے مجھے ضلع ہونگ ڈو کے ایک گاؤں سوئی میں جانا پڑا۔ میں دراصل سوئی قبیلے کی تاریخ مرتب کر رہا تھا اور اس سلسلے میں بہت سی معلومات جمع کر چکا تھا۔ سوئی قبیلہ ہند چینی کے ان قدیم قبیلوں میں سے ایک ہے جس کے بارے میں بے شمار پُراسرار کہانیاں متمدن اور مہذب دنیا میں مشہور ہیں۔ سوئی لوگ قطعی وحشی ہیں اور ہزار ہا سال سے جنگلوں کے باسی ہیں۔ موجودہ

دور کی کوئی چیز ان کے پاس ہے نہ وہ اس کا استعمال جانتے ہیں۔ بہادر اور جنگ جو لوگ ہیں۔ تیر کمان اور نیزوں کے ذریعے شیر ہلاک کر سکتے ہیں، لیکن آدم خوروں سے بہت خوف کھاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ بدروحیں ہیں جنہیں صرف جادوگر ہی مار سکتا ہے۔ اسی جہالت کے باعث وہ مسلسل آدم خوروں کا تر نوالہ بنتے چلے جاتے ہیں۔

اسی سال پانچ آدم خوروں نے ضلع ہونگ ڈو کے مرد اور عورتوں کو ہڑپ کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان میں دو شیر اور دو شیرنیاں عمر رسیدہ تھیں اور ایک شیر ذرا کم عمر کا، لیکن انتہائی طاقت ور اور مکار تھا۔ یہ درندے آدم خوری پر کیسے اتر آئے، اس کی کہانی بڑی دل چسپ ہے۔ اس سال خلاف معمولی بارش نہیں ہوئی۔ گھاس سوکھ گئی، پھول، پتے اور پودے مرجھا گئے اور ندی نالے سوکھ گئے۔ جنگلی جانور اور درندے پیاس سے بے تاب ہو کر انسانی آبادیوں اور بستیوں میں آنے لگے۔

ایک روز دوپہر کے وقت یہ پانچوں شیر اور شیرنیاں گاؤں کے نزدیک آ گئے۔ ایک شیر نے بھینس پر حملہ کر دیا۔ بھینس نے بچنے کی بڑی کوشش کی، مگر شیر نے اسے گرا لیا۔ اتنے میں چند آدمی ہاتھوں میں نیزے اور کلہاڑیاں لیے موقع پر پہنچ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ درندے انہیں دیکھ کر بھاگ جائیں گے، مگر ایسا نہ ہوا۔ شیرنیاں اور شیر مزید طیش میں آ گئے اور آدمیوں کو دبوچ کر انہوں نے چشم زدن میں تکا بوٹی کر ڈالی۔ بھوکے درندوں نے پہلی مرتبہ انسانی لہو اور گوشت کا ذائقہ چکھا اور تھوڑی دیر بعد وہاں کھوپڑیوں، انتڑیوں، بچے کھچے گوشت اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ پانچوں درندے کھا پی کر بانسوں کے جھنڈ میں آرام کرنے چلے گئے۔ یہ جھنڈ سوئی سے دو میل دور تھا۔

اس بھیانک حادثے کی خبر شام تک دور دور پھیل گئی۔ باشندوں میں ہیجان پیدا ہونے لگا لیکن اس وقت تک انہیں معلوم نہ تھا کہ درندوں نے آدمیوں کو ہڑپ کر لیا ہے۔ وہ تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ غیظ آلود درندوں نے چند آدمی مار ڈالے ہیں اور جنگل میں بھاگ گئے ہیں۔

گرد و نواح کی بستیوں سے جتنے آدمی جمع ہوتے، ان میں سے ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور تھا، لیکن بانسوں کے جھنڈ میں جانے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ درندے بھی خلاف معمول جھنڈ میں اتنی دیر تک رکے رہے ورنہ اپنی فطرت کے مطابق وہ شکار ہلاک کر کے کھیں اور چلے جاتے ہیں ان کے غرانے اور ہانپنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان لوگوں نے اسی سوچ بچار میں بہت وقت گزار دیا کہ کیا کیا جائے۔ آخر کچھ لوگ ہمت کر کے آگے بڑھے اور چیختے چلاتے جھنڈ کی طرف چلے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی جوش آیا اور پھر سب کے سب گلا پھاڑ کر چیخنے لگے۔ درندے اس ہنگامے سے گھبرا گئے۔ جھنڈ سے غراتے ہوئے برآمد ہوئے اور مختلف اطراف میں بھاگ نکلے۔ اسی اثنا میں کچھ لوگوں کی نظر انسانی ہڈیوں اور گوشت پر جا پڑی۔ اسے دیکھتے ہی سب کے حواس گم ہو گئے، تاہم انہوں نے یہ اجزا کپڑے میں لپیٹے اور گاؤں میں لے گئے اور جادوگر کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ معاملہ پانچ آدم خوروں کا تھا، اس لیے جادوگر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ روز کے لیے بستی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ اس وقفے میں وہ آدم خوروں کو فنا کر دے گا۔

جادوگر کے اس مشورے پر کچھ لوگوں نے فوراً عمل کیا، اپنی جھونپڑیاں خالی کر دیں اور سامان اور مویشی لے کر بہت دور چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے جو بعض مجبوریوں کے تحت بستی چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے، آدم خوروں سے دو دو ہاتھ کرنے کی تدبیریں سوچیں اور سوئی لک کے میئر کو سارا قصہ سنایا، میئر نے اگلے ہی روز میرے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ میں اسی وقت وہاں پہنچ گیا۔ میں نے پہلے وہ جگہ دیکھی جہاں درندوں نے آدمیوں کو ہلاک کر کے ان کے لہو اور گوشت سے پیٹ بھرا تھا۔ پھر وہ جھنڈ دیکھا جہاں انہوں نے آرام کیا۔ بستی کا ہر فرد میری آمد پر خوش تھا اور بار بار رائفل پر لوگوں کی نظریں جاتیں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے دور کھڑے ہوئے درندے کو مارا جا سکتا ہے، تو تعجب سے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ میں نے انہیں یقین دلانے کے لیے بانس منگوایا اور ایک آدمی سے کہا کہ وہ یہ بانس فلاں جگہ جا کر گاڑ دے۔ میں نے بانس کے درمیانی حصے کا نشانہ لیا اور لبلبی دبا دی۔ گولی لگتے ہی بانس فلاں جگہ جا کر گاڑ دے۔ میں نے بانس کے درمیانی حصے کا نشانہ لیا اور لبلبی دبا دی۔ (بقیہ: اگلے شمارے میں پڑھیے)

مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

نومبر کا شمارہ حسب دستور حسین تحریروں کا گلدستہ تھا۔ اداریے سے لے کر بلا عنوان تک پورا شمارا علم کی خوشبوؤں سے معطر تھا۔ آپ نے اداریے میں "پاکستان زندہ باد" مہم کا اعلان کر کے میری دیرینہ آرزو پوری کردی ہے۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ حمد و نعت، درس قرآن، انتقام، سم کا راز، شناخت اور چھوٹا کسان سبق آموز کہانیاں ہیں۔ ویران جزیرے کا راز بھی اپنے پورے جوبن پر ہے۔ اس بار بھی ہم کچھ تحریریں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تعلیم و تربیت کے تمام کارکنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)۔ آپ سے ایک درخواست ہے کہ تعلیم و تربیت کی 77 سالہ تاریخ پر ایک مفصل مضمون شائع کریں جس سے ہمیں پتا چل سکے کہ تعلیم و تربیت کب اور کیوں شروع ہوا۔ (حسن رضا سرداد وفی، خدیجہ نشان، کاموکی)

☆ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو "پاکستان زندہ باد" کی مہم اچھی لگی۔ کیوں نا اچھی لگے۔ ہمارا دین اسلام اور ہمارا وطن پاکستان ہی ہمارے لیے، سب کچھ ہے۔ باقی سب چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

ماہ نومبر کا تعلیم و تربیت بہترین ٹائٹل اور علامہ اقبال کی خوب صورت تصویر سے مزین تھا۔ علامہ اقبال کی خوب صورت تصویر دیکھتے ہی میں ان کے سحر میں کھو گیا۔ یہ سحر اس وقت ٹوٹا جب امی جان نے آ کر زور سے جھنجوڑا کہ بیٹا مدرسے کا وقت ہو چکا ہے کیا اب تک انہی خیالوں میں گم رہو گے۔ خیر میں تو اٹھ کر مدرسے چلا گیا لیکن راستے بھر یہی سوچتا رہا کہ قائداعظم اور علامہ اقبال جیسی شخصیتیں اگر مسلمانوں کی راہ نمائی نہ کرتیں تو آج بھی ہندو بنیے کا راج ہوتا اور (خدا نہ کرے کہ) مسلمانوں کو آج بھی وہی دن دیکھنے پڑتے جن کا آغاز 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہوا تھا۔ تمام کہانیاں بہترین اور لاجواب تھیں۔ اقبال کا تصور شاہین بہت پسند آیا۔ بڑے عرصے بعد خط لکھ رہا ہوں اس لیے میں حوصلہ افزائی کا طالب ہوں۔ امید ہے ردی کی ٹوکری کا ہاضمہ خراب ہو گا اس لیے یہ اتنی استطاعت نہ رکھتی ہو گی کہ میرے خط کو بآسانی نگل سکے۔ خط کافی طویل ہو گیا اس لیے اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں لیکن جاتے جاتے آخری شعر ضرور کہوں گا:

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

(محمد شاہ حسین، بہاول پور)

ماہ نومبر 2017ء کا تعلیم و تربیت ملا۔ دل خوش ہو گیا۔ پہلی تحریر ہمارے پیارے نبی ﷺ کا پیارا حلیہ مبارک ایمان افروز تحریر تھی۔ جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ یقیناً آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میر تقی میر کے بارے میں مختصر تحریر بڑی معلومات افزا تھی۔ اس طرح کے ادب پارے ہماری اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ کہانیاں سب ہی اچھی اور سبق آموز تھیں۔ ابو القاسم کے جوتے بڑی مزاحیہ تحریر تھی۔ چھوٹا کسان دل چسپ ہے۔ اس کو جاری رکھیں۔ سرورق پر علامہ محمد اقبالؒ کی تصویر نے رسالے کو چار چاند لگا دیے اور اب مہربانی فرما کر دسمبر کے تعلیم و تربیت کے سرورق پر حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تصویر چھاپیے گا۔

(محمد سالار گوجر خان)

☆ پسندیدگی کا شکریہ۔

ماہ نومبر کا تعلیم و تربیت بہت اچھا تھا۔ میں کئی سالوں سے تعلیم و تربیت کی خاموش قاری ہوں۔ خط لکھنے کی جسارت پہلی بار کر رہی ہوں۔ میں بارہویں جماعت کی طالبہ ہوں اور تعلیم و تربیت میرا پسندیدہ ترین میگزین ہے۔ شمارے میں ہمیشہ کی طرح تمام کہانیاں سبق آموز اور دل موہ لینے والی تھیں۔ خاص طور پر "اقبال کا تصور شاہین" پڑھ کر واقعی اقبال کی تصوراتی اُڑان کو داد دینے کو جی چاہا۔ برائے مہربانی میرا پہلا خط شائع کر کے حوصلہ افزائی فرمائیں۔ پاکستان زندہ باد۔ (مریم مقصود، فیصل آباد)

سلام کے بعد عرض ہے کہ کیسی ہیں آپ؟ امید ہے بھلی چنگی ہوں گی۔ میں خط تاریخ سے پہلے اس لیے لکھ رہا ہوں کیوں کہ میں قاتا

میں رہتا ہوں لہٰذا خط پہنچنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ میں بعض اوقات کہانی بھی اسی وجہ سے نہیں لکھ پاتا کہ مجھے انعام نہیں پہنچے گا۔ خیر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ میرا سب سے بڑا انعام میرا تعلیم و تربیت ہے۔ جو مجھے بہت پسند ہے۔ میں یہ رسالہ 5 سال سے پڑھ رہا ہوں۔ اس رسالے کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ رسالہ سب سے ٹاپ پر ہے۔ مجھے ہر مہینے اس کا انتظار رہتا ہے۔ امید کرتا ہوں میرا یہ خط ضرور شائع ہوگا کیوں کہ اس میں کچھ باتیں میں نے اپنے دل سے لکھی ہیں۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔

(محمد عرفان آفریدی، جمرود، فاٹا)

☆ خط لکھنے کا شکریہ۔ تحریروں کے لیے فون پر رابطہ کریں۔

آداب کے بعد عرض ہے کہ نومبر کا شمارہ جوں ہی ملا دل مسرت سے بھر گیا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ تعلیم و تربیت گرچہ لاہور سے شائع ہوتا ہے مگر کراچی میں 30 یا یکم تاریخ تک مل جاتا ہے۔ یہ آپ کی اور آپ کی ٹیم کی محنت کا ثمر ہے۔ آپ یہ مت سمجھئے کہ میں خط شائع کروانے کے لیے تعریف کا گل دستہ پیش کر رہا ہوں۔ خط شائع ہو یا نہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس آپ تک پہنچ جائے۔ یہی کافی ہے۔ پچھلے شمارے میں آپ نے میری تحریر "انجیر اور اس کے فوائد" شائع کی اس کے لیے شکریہ۔ "ویران جزیرے کا راز" اچھا جا رہا ہے۔ اس بات کی داد دینی پڑے گی کہ تعلیم و تربیت واحد رسالہ ہے جو بہ یک وقت بچوں اور بڑوں کی دل چسپی کا سامان کرتا ہے۔ اس کا ہر شمارہ معلومات، بچوں کی کہانیاں اور بڑوں کے لیے نصیحت اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔

"پیارے نبی ﷺ کا پیارا حلیۂ مبارک" اچھا مضمون تھا۔ مسلمان بچوں کے لیے ایسے مضامین کی اشد ضرورت ہے۔ "اقبال کی محبوب بستیاں" اور "اقبال کا تصور شاہین" جیسے مضامین بچوں کے اندر ایک نئی روح اور جذبہ پھونکتے ہیں۔ اقبالؒ کے ملفوظات پابندی سے شائع ہوتے رہتے ہیں یہ اقبال شناسی کے لیے ایک خوش آئند ذریعہ ہے۔ مجھے خود ان کی بدولت اپنے اندر تبدیلی محسوس ہوئی ہے۔ "سم کا راز" اور "شناخت" جیسی کہانیاں بھی مسلسل شائع کریں۔ ان شاء اللہ ان کی بدولت اگر ایک فرد بھی ملک کے لیے کارآمد بن گیا تو نفع کا ہی سودا ہے۔ اپنا خیال رکھیے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ پاکستان زندہ باد۔

(محمد ارسلان صدیقی، کراچی)

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور اگلے شمارے کی تگ و دو میں مصروف ہوں گے۔ سلام کرنا تو یاد ہی نہیں رہا۔ ایڈیٹر آپی اور تمام لوگ جو میرا خط پڑھ رہے ہیں ان سب کو السلام علیکم! تعلیم و تربیت کا سرورق بہت خوب صورت تھا اور کہانیاں تو آہا! کیا ہی مزے دار تھیں۔ سب سے مختلف کہانی "شناخت" تھی اور بہت اچھی بھی تھی۔ "سم کا راز" کی آخری قسط بہت زبردست تھی۔ مجھے تو بہت مزا آیا۔ ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ردی آنٹی اور سوری ردی باجی کو میرا خط بہت لذیذ لگتا ہے ہر دفعہ ہڑپ کر لیتی ہیں پر اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا کیوں کہ میں نے اپنے خط میں ڈھیر ساری مرچ ڈال دی ہے۔ اب اگر وہ کھائیں گی تو پھر آپ کو پتا ہے کہ کیا ہوگا۔ چلو خیر آگے بڑھتے ہیں۔ کہانیاں جو ٹاپ پر تھیں ان کے نام انتقام، حقیقی اڑان اور نول باکس بہت زبردست تھیں۔ باقی سلسلے جیسے ہونہار مصور، لطائف اور پہیلیاں بہت اچھی تھیں۔ آپی! مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ ایک تو آپ لوگوں نے "ذائقہ کارنر" ختم کر دیا ہے اب اوپر سے "میری بیاض سے" بھی ختم کر دیا ہے۔ پلیز انہیں دوبارہ شروع کریں۔ چلیں خیر اب بہت دیر ہو گئی ہے پھر ملیں گے اگلے شمارے میں۔ اللہ حافظ (میمونہ نوید، راول پنڈی)

کیسی ہے آپی آپ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے تو مبارک ہو کہ پاکستان میں کرکٹ پھر سے بحال ہو گئی۔ اوہ! میں تو اصل بات ہی بھول گئی آپ نے میرا خط تو شائع نہیں کیا مگر پھر بھی شکایت کرنے کا حق نہیں بنتا کیوں کہ رجیج سیج نام تو چھپ گیا امید ہے اس بار خط ضرور شائع ہوگا۔ اب آتے ہی شمارے کی طرف اس بار ساری کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ انتقام اور شناخت سپر ہٹ تھیں۔ میں کچھ لطائف بھیج رہی ہوں ان کو پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین)

(ایمن ذوالفقار، امان گڑھ نوشہرہ)

جگہ کی کمی کے باعث صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں:
محمد شمس خان، وزیرہ ناز خان۔ محمد ریاض بٹ، ارشش بشیر، رشید ثاقب، منیر نور، لاہور۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور، حفصہ اعجاز۔ بازہ ممتاز۔ محمد ابراہیم، واہ کینٹ۔ ذویا رفعت، جہلم۔ محمد جاوید حسین جلال پور جٹاں۔ سعیدہ فاطمہ، فیصل آباد۔ سائرہ بتول، تربیلا۔ محمد یوسف، ملتان۔ کبیر ادریس، کراچی۔ زینب محبوب، جہلم۔ نعمان شریف، مانسہرہ، ایرار الحق، رحیم جنگ۔ سعید عباس، اظہار بزمی۔

موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ کنول کے بڑے بڑے نوک دار پتیوں والے پھول موسم سرما کو خوش آمدید کہنے کے لیے سفید لباس پہنے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہریالی کا راج چار سو تھا۔ قدرت اس زرخیز سرزمین پر بہت مہربان تھی۔ صدیوں سے یہ جو ہڑ نما صاف ستھرا بارش اور نہر کے پانیوں بھرا تالاب بگلوں کی خاص نسل جو مکمل طور پر سفید پروں والی پوشاک میں ملبوس رہا کرتی تھی سے آباد اور شاد تھا۔ اس میں مچھلیوں کی بہتات تھی۔ وقت کا بادشاہ یعنی رب اکریم ان کے لیے چین ہی چین لکھتا تھا۔ ان کی شاہی زندگی کا راز آپس میں محبت، اتفاق اور نظم و ضبط تھا۔ جب انہیں وزیر آباد اور گجرات کے قریبی دریا کی طرف پرواز کرنا ہوتی تو سب کے سب ایک قطار میں اڑتے آسمان پر اتنا حسین و جمیل منظر پیش کرتے کہ دیکھنے والا ایک دم مبہوت رہ جاتا اور بے اختیار ان کی عقل مندی پر داد دیتا ہوا سبحان اللہ کہہ اٹھتا۔ بگلوں کی یہ قطاریں زمانہ ازل سے آسمانوں پر پرواز کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ آج بھی ان میں ویسا ہی نظم و ضبط موجود ہے جو ان کی پرانی نسلوں میں موجود تھا اور محبت و اتفاق کا عالم یہ تھا کہ مل جل کر شکار کرنے کا ہنر انہیں نہ صرف باپ دادا سے ورثے میں ملا تھا بلکہ ان کے لیے قدرت کا تحفہ تھا۔ محبت و اتفاق اور نظم و ضبط بے حد نادر تحفے ہوا کرتے ہیں اور یہی انہیں دوسرے پرندوں میں ممتاز کرتے تھے۔ راج ہنس بھی انہی کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مگر یہ بگلے پاکستان کی سرزمین پہ اس طرح سے آباد تھے کہ دوسرے ممالک کی طرف جانے کو ان کا من مائل ہی نہ ہوتا تھا سو یہ کبھی کبھار سرحدوں کی طرف کوچ کرتے اور وہیں سے راج ہنسوں کے خاندانوں کو مل کر لوٹ آتے۔

موترے کی نہر کنارے یہ خاندان بھی پُر مسرت زندگی بسر کر رہا تھا، ان کے خاندان میں ہزاروں بگلے موجود تھے، ان کا من پسند کھانا ننھے ننھے مینڈک، ننھے ننھے کیچوے اور بے حد مزے دار ننھی ننھی مچھلیاں تھیں اور موترہ نہر تو خاص طور پر مچھلیوں سے بھری رہتی۔ موسم گرما کے علاوہ بھی تقریباً سارا سال جب من چلے نوجوان چاہتے اس کے کناروں پر صبح سے شام تک جال لگاتے، لکڑی کی بنی کنڈیاں ڈالے مچھلیوں کے ڈھیر پکڑ پکڑ کر بھونتے، کھاتے پیتے اور پکنک پارٹیاں اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی لذیذ مچھلی کا تحفہ واپسی پر لے جاتے اور انہیں بھی ذائقے دار نعمت کھلاتے۔

اس برس 2017ء میں بھی بگلے جاڑے سے قبل ہی اپنے اپنے گھونسلے مضبوط کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ہر خاندان میں

کم از کم کئی سو بگلے تھے، کچھ خوراک کی منصوبہ بندی کرنے میں مصروف تھے، کچھ دشمن کے حملے ناکام بنانے کا انتظام سوچ رہے تھے، کچھ بگلے اپنے نوزائیدہ بگلوں کے لیے اڑان کے سبق سکھانے والے تھے، کچھ بگلے رہنما بگلے تھے جو قطاروں کے ساتھ ساتھ سربراہی اور راستہ بتانے کا کام کرنے والے تھے کچھ بگلے بارش کے سرخ سرخ پانیوں کے ساتھ آنے والی بے پناہ مچھلیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والے تھے۔ ان میں بہت سے دانا بگلے بھی تھے جو سب کو جب کوئی حکم دیتے، مشورہ کرنے کے لیے اکٹھا کرتے تو سب کو فوراً حاضر ہو کر حکم کی تعمیل کرنا ہوتی۔ آج بھی دانا بگلوں نے اپنی تمام بگلہ فوج کو حکم دیا کہ ہم نے اپنے گھنے آم اور پیپل کے سایہ دار بلند قامت درختوں کی کھوہ میں راتوں رات قبضہ کرنے والے بدشکل گرگٹوں کو مار بھگانا ہے، اس کی تیاری کی جائے۔ حملے کا وقت چاند کی چودھویں رات جو چند گھنٹے بعد شروع ہو جائے گی وہی ہے۔ سب یک زبان ہو کر اپنی آواز میں بولے کہ بالکل ٹھیک جناب آپ کو مایوس نہیں کیا جائے گا، جب ہم پاکستانی 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک کی گرمی میں سندھی مچھروں سے لڑ سکتے ہیں تو ان گرگٹوں سے کیوں نہیں۔

سب بگلے پرواز کے لیے، حملے کے لیے خوب محنت کرنے لگے۔ ہر طرف زور و شور سے کام شروع ہو گیا۔ ابھی بگلوں میں دو تین نادان، ناسمجھ، کم عمر بگلے اڑے اور اڑتے اڑتے گرگٹوں کے قریب جا کر جائزہ لینے لگے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور طاقت کتنی ہے؟ اچانک ادھر سے بھی گرگٹ شہزادہ جو بہت ہی چھوٹا تھا، لمبائی میں اپنے باپ کے پیروں کے برابر باہر نکلا تو کھوہ کے نزدیک اسے دو سفید سفید روئی جیسے کول پرندے دکھائی دیے۔ وہ اچھلتا کودتا وہیں چلا آیا کیوں کہ وہ ابھی کھیل کی عمر میں تھا۔ کھوہ کے اندر بھی وہ کھیل کود سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ اسے باہر سے انہی پرندوں کی بولیوں کی آوازیں آ گئی تھیں اور وہ چپکے چپکے، چھپتا چھپاتا جھٹ پٹ باہر نکلا تھا۔ ”ارے ارے تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“ بگلوں نے گرگٹ بچے سے پوچھا۔ ”میں تو شہزادہ گرگٹ ہوں۔ میرے ماں اور باپ وہاں ہیں۔ وہ دیکھو! نہر کا دوسرا کنارا میری دکھائی ہوئی سیدھ میں دیکھو! وہ ہاں..... وہ دور ٹالی کا درخت دیکھ رہے ہو، اس کے موٹے سے تنے کی موٹی سی کھوہ میں۔ آج ان کے دوست کی کاغان روانگی ہے بمع ان کے اہل خانہ اس لیے وہ وہاں ہیں اور میں تمہارے پاس یہاں ہوں۔ اگر وہ ادھر ہوتے تو میں تمہیں کیسے مل پاتا۔ میرے دوست بنو گے ہاں ضرور کیوں نہیں؟“ ”آؤ تو پھر ہاتھ ملاؤ ہو گئی دوستی پکی والی۔“ اور اسی دوستی میں بگلوں نے تمام باتیں گرگٹ شہزادے سے کھوج ڈالیں۔ بگلے نادان، ناسمجھ، کم عمر تھے اپنی طرف سے تو اندازے لگانے آئے تھے مگر بے خبر تھے کہ اگر گرگٹوں کی فوج باہر نکل کر انہیں مار ڈالتی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے مگر قسمت ان پر مہربان ہو گئی جو فوج کی بجائے صرف اکلوتا گرگٹ مل گیا اور وہ بھی ساری اپنی گھریلو، فوجی باتیں کھیل کھیل میں انہیں بتا کر ان کا کام آسان کر گیا۔ ”اچھا ننھے دوست جلد ہی پھر ملیں گے۔“ یہ کہتے ہی بگلے اپنی لمبی لمبی ٹانگوں سمیت اڑ گئے۔ گرگٹ شہزادہ منہ کھولے مزید باتیں کرنے کی آرزو لیے کھوہ میں گھس گیا۔ اندر اس کو گرگٹ فوج ڈھونڈنے میں گم تھی، انہوں نے شکر ادا کیا کہ وہ شہزادہ مل گیا ورنہ وہ اپنے بادشاہ و ملکہ کو کیا منہ دکھاتے؟

ادھر ان بگلوں کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی انہیں بھی تلاش کیا جا رہا تھا، ان کی ماں اور نانی بے حد پریشان تھیں اور ان کے باپ گلیلیو کو کہہ رہی تھیں کہ جاؤ مارکو پولو، واسکوڈے گاما اور رابن ہڈ کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ گلیلیو ابھی کو ڈھونڈنے نکلا تھا مگر اس کے آنے سے قبل یہ واپس لوٹ چکے تھے اور اپنی ماں کو تمام قصہ سنا چکے تھے۔ گلیلیو ادھر ایک لومڑی کے ساتھ بحث و تکرار میں پھنس چکا تھا۔ لومڑی حسب روایت اپنی چکنی چپڑی گفتگو سے اسے شکار کر کے اپنے بچوں کے لیے لے جانا چاہتی تھی مگر ناکام ہوئے جا رہی تھی۔ گلیلیو اس کے قریب سے گزرا تھا کہ لومڑی نے قسمیں دے کر روک لیا کہ بے چارے کو لومڑی کی سنی ہی پڑی اور اب جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ اچانک دانا بزرگ بگلوں میں سے ایک غول ادھر سے اڑتا گزرا تو اس نے گلیلیو کو یہاں لومڑی کے ساتھ الجھتے دیکھ کر اڑان نیچی کی اور فوراً اترائی کر لی۔ لومڑی اتنے ڈھیر سارے بگلوں کو دیکھ کر دم دبا کر بھاگ نکلی۔

”گلیلیو اب گھر جاؤ! ہم ایک خاص مشن پر ہیں واپس آ کر حملہ بھی کرنا ہے۔ اچھا دوستو جان چھڑانے اور بچانے کا شکریہ اللہ حافظ۔“

گھر پہنچنے پر مارکو، واسکوڈے گاما اور رابن نے اس کا استقبال

بھی کیا اور اسے پریشان کرنے پر معذرت بھی کی اور آئندہ دیر تک باہر نہ رہنے کا سچا وعدہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے گرگٹ شہزادے سے ہونے والی تمام ملاقات، ہر بات اپنے باپ بگلے گلیلیو کے آگے گوش گزار کر دی۔ ہم ضرور جیت جائیں گے یہ سوچ کر وہ دانا بگلوں کے گھونسلے کی طرف اڑے۔

دانا بگلے بھی شیطانی طاقتوں کو ختم کرنے کا شان دار منصوبہ بنائے بیٹھے تھے کہ واسکو، مارکو، رابن کو گلیلیو کے آنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ سب کو فوراً ملاقات کے لیے بلایا گیا۔ تمام باتیں سننے کے بعد دانا بگلے بولے۔ "بہت خوب! متحد ہو کر تو چیونٹیاں شیر کی کھال نوچ ڈالتی ہیں ہم تو پھر نوکیلی چونچوں والے، لمبی ٹانگوں والے بگلے ہیں۔ آنے والے وقت کی آہٹ بتاتی تھی کہ جیت اسی سفید مخلوق کی ہونے والی ہے۔ چاندنی جب ہر طرف پھیل گئی روشنی کا راج ہو گیا تو تمام ننھے پرندے درختوں کی شاخوں پر تنکوں سے بنے اپنے ہی بچوں پر چونچوں سے تعمیر کردہ گھونسلوں میں سو گئے۔ بگلوں کی سفید فوج مل کر اڑی۔ قطار در قطار یوں جیسے موتیوں کے ہار اور گرگٹوں کے سر پر جا پہنچی۔ گرگٹ کھوہ سے نکل چکے تھے کیوں کہ بہ قول ننھے گرگٹ شہزادے کے چاندنی رات میں وہ مل کر جشن منانے نہر کے کنارے آ چکے تھے۔ کھوہ خالی تھی۔ سب لمبی لمبی کنارے لگی گھاس میں سے جھینگر وغیرہ کھانے میں مصروف تھے۔ وہ کئی دنوں کے بھوکے تھے۔ اچانک انہیں پھڑپھڑاہٹوں نے چونکایا۔ بگلوں کی ڈاروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان کا جشن بھسم ہو کر رہ گیا جب ان پر پتھر ہی پتھر گرنے لگے کیوں کہ ہر بگلہ تاریخی ابابیلوں کی طرح اپنے اپنے خاندان کے ساتھ اپنی چونچوں میں کنکر، پتھریاں بھر بھر کر لایا تھا۔ منٹوں میں دیکھتے ہی دیکھتے گرگٹ لہولہان ہوئے۔ کوئی ادھر گرا کوئی ادھر گرا۔ خس کم جہاں پاک۔ بگلوں کے نظم و ضبط، اتحاد اور عقل مندانہ فیصلے نے ان کی کھوئی ہوئی سرزمین واپس لوٹا دی کیوں کہ پیپل اور آم کے درخت صدیوں پرانے تھے اور صدیوں سے آباد بگلوں کی آماجگاہ تھے۔

صبح جب فتح کا سورج طلوع ہوا تو سب نے مل کر مچھلیوں کو کھا کر جشن منایا۔ خوب مزے کیے۔ پیپل کے چمک دار پتوں نے ہوا کے ساتھ تالیاں بجا بجا کر داد دی اور آم کے گہرے ہرے ہرے پتوں نے ہوا کے ساتھ سرسرا کر مبارک باد پیش کی۔ دور قطاروں میں کھڑے سنبل کے درختوں پر شنیل کی طرح مخملیں جلد والے سرخ بڑے بڑے پھول مسکرا رہے تھے کہ سفید مخلوق پھر سے شاد باد ہو گئی۔

☆☆☆

کھوج لگائیے میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

کوثر امجد علی، محمد قاسم، لاہور۔ عمار غوری، اسلام آباد۔ ندا حسن، عروہ امتیاز، لاہور۔ حنیفہ عثمان، خدیجہ عثمان، کاموکی۔ اقصیٰ اشرف، لاہور۔ مریم منصور، فیصل آباد۔ فاطمہ باقر، لاہور۔ ملک نور زمان، ڈیرہ اسماعیل خان۔ نرمین وارث، لاہور۔ بلال قرنی، ساہی وال۔ سیدہ سائرہ منصور، کراچی۔ صفی اللہ، لاہور۔ ایمن اعجاز، بازہ ہملت۔ ابرار الحق عبدالمجید، راجہ جنگ۔ فاطمہ منیر، لاہور۔ مریم مصطفیٰ، رحیم یار خان۔ محمد سعد، لاہور۔ فضہ گل، نوشہرہ۔ زینب مجید، لاہور۔ سیدہ عائشہ گیلانی، شیخوپورہ۔ تحریم باسط، رحیم یار خان۔ عثمان رزاق، لاہور۔ محمد اشعر، ملتان۔ ماریہ حسن، عائشہ خالق، لاہور۔ افراح عروج، راول پنڈی۔ جویریہ ہارون، اسلام آباد۔ وہ نور مدثر، لاہور۔ محمد سفیان صادق، لودھراں۔ عبدالرحمٰن طاہر، سیال کوٹ۔ محمد ریز بٹ، لاہور۔ امامہ عبدالباقی، طلحہ قطب، لاہور۔ فراز احمد، وزیر آباد۔ علینہ اختر، کراچی۔ صفا شفیق، لاہور۔ چوہدری طیب اسلام، لودھراں۔ ریاض حسین قمر، منگلا ڈیم۔ کہف ادریس، کراچی۔ محمد انس، راول پنڈی۔ عالیان ہارون، نوشہرہ۔ تحریم، کراچی۔ محمد علی ببر، رحیم یار خان۔ عائشہ شبیر، لاہور۔ حارث حسین، راول پنڈی۔ عائزہ وحید، بھمبر۔ منال فاطمہ، لاہور۔ محمد شاس حسین، بہاول پور۔ منیحہ اعجاز، لاہور۔ سیدہ جویریہ جعفری، واہ کینٹ۔ مریم منیب، لاہور۔ محمد حمزہ، چکوال۔ میمونہ نوید، راول پنڈی۔ ہارون یوسف، لاہور۔ علیم اسحاق، جہلم۔ ملک محمد احسن، راول پنڈی۔ سیدہ عائشہ گیلانی، شیخوپورہ۔ شرمین عبدالرشید، لاہور۔ بادیہ خالق، ڈیرہ غازی خان۔ بجیرہ ہارون، نوشہرہ۔ عزیر رائے خالد احمد کمالیہ۔ صبغت اللہ گوجرانوالہ۔ مسفرہ علی، خوشاب۔ محمد عمیر ارشاد، بہاول نگر۔ سفیان الدین، نوشہرہ۔ دانیہ ضرار، لاہور۔ محمد محسن خان، ڈیرہ غازی خان۔ زرجب سلیم، لاہور۔ سندس آسیہ، کراچی۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ محمد ہمایوں انور، جھنگ صدر۔ محمد بن عمر، لاہور۔ صہیب راشد، رحیم یار خان۔ عالیہ ارشد، لاہور۔ محمد حسان اختر، ملتان۔ آئزہ طاہر، لاہور۔ محمد دانیال، بجگر۔ حسن منیب، لاہور۔ حسن رضا سردار وصفی، نفیسہ فاطمہ قادری، عائشہ فاطمہ قادری، نور حسین قادری وصفی، کاموکی۔ میمونہ نوید، راول پنڈی۔

وادی کاغان

محمد اعجاز سرفراز

پاکستان کا شمار دنیا کے حسین ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں کے بلند و بالا پہاڑوں اور خوب صورت وادیوں میں قدرت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ وادئ کاغان یقیناً پاکستان کے شمال کے دل کی دھڑکن ہے۔ اس کا شمار ارضِ پاک کے خوب صورت ترین خطوں میں ہوتا ہے۔ 161 کلو میٹر لمبی اس وادی میں برف پوش پہاڑ ہیں۔ پھلوں سے بھرے سرسبز میدان ہیں، شور مچاتی آبشاریں ہیں، نیلگوں جھیلیں ہیں، گھنے جنگلات ہیں، پرندوں کی میٹھی بولیاں ہیں۔ پاکستان کے میدانی علاقوں سے نزدیک ترین وادئ کاغان ہے۔ ہم نے ایک ہائیکنگ گروپ بنایا جس کے کل چھ ارکان تھے۔ انور نواز، تنویر خالد، عثمان شمیس، محمد اعجاز اور شیخ الیاس۔

8، جون 2012ء: کو ہم لاہور سے مانسہرہ روانہ ہوئے۔ آٹھ گھنٹے میں مانسہرہ پہنچ گئے۔ مانسہرہ سے ایک گھنٹے میں شنکیاری پہنچے۔ شنکیاری میں ہوٹل نہ ہونے کے برابر ہیں، ہم نے کوشش کر کے ایک گیسٹ ہاؤس رہنے کے لیے لے لیا۔ وہاں سامان رکھا اور شاہ زیب جھیل کی راہ لی۔ چالیس منٹ میں شاہ زیب جھیل پہنچ گئے۔ جھیل چھوٹی تھی مگر بہت خوب صورت تھی۔ بیچ چکیاں لگی ہوئی تھیں۔ قریب ہی آبشار بہت خوب صورت منظر پیش کر رہی تھی۔ تھوڑا آگے بڑھے تو سرن دریا آ گیا۔ ہم نے ڈولی لفٹ سے دریا عبور کیا۔ گاؤں کی سیر کی اور واپس آ گئے۔

شنکیاری سے چھتر روانہ ہوئے۔ چھتر پہنچ کر گرین ہوٹل جو کہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ ہائیکنگ کر کے پہنچے تو دیکھا ہوٹل کی عمارت کا رنگ نیلا کیا ہوا ہے۔ یہ منظر بہت دل فریب تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی پھر واپسی کی راہ لی کیوں کہ بارش ہونے والی تھی۔ کالے بادل تیزی سے آئے اور تیز بارش ہونے لگی۔ رات کو سردی ہو گئی۔ سرن گیسٹ ہاؤس بہت اچھا تھا ہمارا گزارہ ہو گیا۔

10، جون 2012ء: صبح شنکیاری سے نوے منٹ میں مانسہرہ پہنچے۔ گاڑی میں مانسہرہ سے کیوائی ایک گھنٹہ چالیس منٹ لگے۔ کیوائی سے شوگراں ایک گھنٹہ بیس منٹ لگے۔ تمام راستے گاڑی درختوں کے بیچ سے سانپ کی طرح گاڑی گزرتی رہی۔ شوگراں پہنچے تو لوگ واپس جا رہے تھے کیوں کہ اتوار کا دن ختم ہو رہا تھا۔ اسی لیے ہمیں اچھا ہوٹل آسانی سے مل گیا۔ سامان رکھا، ناشتا کیا اور سری کو پیدل ہی نکل گئے۔ جیپ بھی جاتی ہے مگر پیدل چلنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ بہت اچھا موسم تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ہم سری جھیل تک دو گھنٹے میں پہنچے۔ گہرے سبز رنگ کی جھیل آنکھوں کو بہت اچھی لگی۔ پاس ہی ہوٹل تھا۔ چائے پی کر فریش ہو کر "پائے کی" پہنچ گئے۔ شوگراں سے نو کلو میٹر آگے "پائے کی" کا حسین اور

وسیع سبزہ زار ہے۔ سطح سمندر سے 10,000 فٹ سے زیادہ بلندی پر واقع یہ وسیع و عریض میدان چاروں اطراف میں قابل دید مناظر لیے ہوئے ہے۔ پایہ دراصل مکڑا پہاڑ کا دامن ہے۔ یہاں سے جنوب کی سمت مکڑا پہاڑ (12,754 فٹ) کا خوب صورت نظارہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مکڑے نے سفید پہاڑ پر ترتیب سے جالہ بنا ہے۔ یہاں آئے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کالے سیاہ بادل تیز ہوا کے ساتھ آئے۔ ہم نے واپسی کا ارادہ کیا۔ پہاڑ سے نیچے اترے ہی تھے کہ تیز بارش شروع ہوگئی۔ رین کوٹ پہن کر سفر جاری رکھا۔ برف باری شروع ہوگئی۔ یہاں بہت پھسلن ہوگئی اوپر سے پانی نالے کی طرح گرنے لگا۔ بڑی مشکل سے دو گھنٹے میں شوگراں آئے۔

11، جون 2012ء: شوگراں سے ناران کے لیے سفر شروع کیا۔ تقریباً تین گھنٹے میں ناران پہنچے۔ راستہ بہت خوب صورت تھا۔ اس بار زیادہ برف باری ہوئی تھی۔ دائیں بائیں بہت بڑی بڑی دیواریں بنی تھیں اور درمیان میں سرنگ کی طرح سڑک گزر رہی تھی۔ ہر سرنگ دس سے بیس فٹ تک بلند تھی کئی کلو میٹر تک راستہ ایسا ہی تھا۔ ناران میں ہم نے واپڈا کا ریسٹ ہاؤس بک کروایا ہوا تھا۔ وہاں کے کیئر ٹیکر فضل رحیم سے ملاقات ہوئی۔ گیسٹ ہاؤس صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ ہم نے یہاں دو دن گزارے۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے تھے۔ پورے ناران میں سرکاری بجلی کا کوئی نظام نہ تھا۔ جنریٹر سے بجلی حاصل کی جاتی تھی۔ سامان رکھا اور سیف الملوک جھیل کے لیے جیپ لی۔ ناران سے صرف 9 کلو میٹر دور سطح سمندر سے 10,550 فٹ بلند یہ حسین ترین جھیل افسانوی شہرت کی حامل ہے۔ چاروں طرف سے برفیلی پہاڑیوں میں گھری اس پیالہ نما جھیل کے متعلق رومانوی داستانیں بہت مشہور ہیں۔ اس کے پانیوں میں ملکہ پربت کا عکس جھلملاتا ہے۔ ملکہ پربت وادیٔ کاغان کا بلند ترین پہاڑ ہے۔ اس کی اونچائی 17,355 فٹ ہے۔ جھیل سیف الملوک سے ایک پیدل ٹریک آنسو جھیل کو جاتا ہے۔ آنسو کی شکل سے مشابہہ اس گلیشیائی جھیل کی بلندی 13,550 فٹ ہے۔ یہاں پر بہت سے رنگوں کے پھول بچے نظر آئے۔ اب واپسی کا سفر شروع کیا۔ راستہ بہت خوب صورت تھا مگر گندگی کی وجہ سے حسن ماند پڑ رہا تھا۔ ہمیں چاہیے جھیل کی صفائی کا خیال رکھیں۔ ہم ایک گھنٹہ میں واپس ناران آئے، کھانا کھایا، بل ادا کیا تو معلوم ہوا ہر کھانے پینے کے بل میں دس فی صد سروس چارجز لیے جاتے ہیں۔ جو سیاح کے لیے بہت کوفت کا باعث بنتے ہیں۔ اگر اس علاقے میں بجلی پانی کا انتظام ہو جائے تو یہ علاقہ بہت ترقی کر سکتا ہے۔

12، جون 2012ء: ہم نے ناران سے لالہ زار کے لیے جیپ لی۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں لالہ زار پہنچ گئے۔ راستہ بہت خوب صورت تھا۔ لش گرین میدان اور اردگرد برف پوش چوٹیاں بہت خوب صورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ یہاں کے پرندے بہت خوب صورت اور پیاری آواز والے ہیں۔ وادیٔ کاغان کی اصل خوب صورتی وادیٔ ناران سے آگے شروع ہوتی ہے۔ چند کلو میٹر آگے سوچ کا دل فریب گاؤں جہاں سے وادیٔ سپ (Supat) کو پیدل راستہ جاتا ہے۔ یہ پراسرار وادی ابھی دنیا کی نظروں سے اوجھل ہے۔ یہاں زیادہ تر آبادی کوہستانیوں کی ہے۔ مین سڑک ناران سے 16 کلو میٹر کے فاصلے پر بٹہ کنڈی کا قصبہ ہے جہاں سے لالہ زار بہ ذریعہ جیپ اور پیدل راستہ بھی جاتا ہے۔ پھولوں اور تتلیوں سے بھرا یہ حسین خطہ زمین کی جنت ہے۔ 10,500 فٹ کی بلندی پر موسم اور آب و ہوا انتہائی شان دار اور کیمپنگ کے لیے محفوظ ہے۔ رہائش کے لیے ہوٹلز دستیاب ہیں۔ لالہ زار سے جھیل سیف الملوک یہ راستہ بانس گلی جایا جا سکتا ہے۔ حالیہ چند سالوں میں لالہ زار میں آلو کی کاشت نے اس جگہ کی خوب صورتی کو متاثر کیا ہے۔ لیکن اب بھی اطراف میں حسن موجود ہے۔ یہاں پر ایک واپڈا کا ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔ کھنڈر نما اپنی بدحالی کا منہ بولتا ثبوت۔ ہم یہاں تین سے چار گھنٹے رکے۔ وقت کا پتا نہیں چلا پھر واپسی کی راہ لی کیوں کہ بارش والا موسم ہو رہا تھا اگر بارش ہو جائے تو گاڑی پر سفر مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم منظر کشی کرتے ایک گھنٹے میں ناران آئے۔ اب شام ہوگئی۔ ہم سوچ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس دنیا کو خوب صورت بنا کر جنت کی منظر کشی کی ہے۔ ہم پھر بھی اس سے دور ہیں۔

13، جون 2012ء: ناران تا مانسہرہ تین گھنٹے میں پہنچے پھر مانسہرہ سے لاہور کے لیے سفر شروع کیا نو گھنٹے میں لاہور آئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خیریت سے گھر پہنچ گئے پھر دوبارہ ارادہ کیا کہ اس جنت کی سیر سے لطف اندوز ہوں گے۔ ☆☆☆

ابابیل، عام چڑیا سے ملتا جلتا پرندہ ہے۔ یہ پرندہ صبح سویرے یا شام کے وقت درختوں یا کسی ندی نالے کے اوپر بڑی تیزی سے اڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ابابیل کا تعلق پرندوں کے ایک گروہ ہورین ڈینیڈی (Hirundinidae) سے ہے۔ اس گروہ کے پرندوں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ اڑتے ہوئے اپنا شکار پکڑتے اور کھاتے ہیں۔ ابابیل کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ ان میں فرق صرف دم کی ساخت کا ہے۔ 1- سوالو (Swallow) اس کی دُم مربع شکل کی ہوتی ہے۔ 2- مارٹن (Martin) اس کی دم کانٹے دار ہوتی ہے۔ ان کی مزید 83 اقسام ہیں۔

ابابیل کی لمبائی 4 سے 9 انچ تک اور وزن 15 گرام تک ہوتا ہے۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی مگر خاصی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ ان کی مدد سے کسی بھی جگہ آسانی سے بیٹھ سکتی ہے۔ ابابیل زمین پر بھی تیزی سے بھاگ سکتی ہے۔ تاہم وہ ایسا کم ہی کرتی ہے۔ اس کے جسم کے اوپر والے حصے پر گہرے نیلے، سیاہ یا بھورے رنگ کے پر ہوتے ہیں جب کہ پشت کے پروں کا رنگ زیادہ تر سفید ہوتا ہے۔

ابابیل سوائے انٹارکٹکا کے دنیا کے ہر خطے میں موجود ہے۔ تاہم اس کی زیادہ اقسام اور تعداد براعظم افریقہ میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز جزائر میں بھی ابابیل خاصی تعداد میں ملتی ہے۔

ابابیل کی زیادہ اقسام کیڑوں کا شکار کرتی ہیں تاہم ابابیل ہر قسم کے کیڑے نہیں کھاتی۔ یہ زیادہ تر مچھر، ڈریگن فلائی بھنورے یا درختوں پر لٹکنے والے کیڑوں کا شکار کرتی ہے۔ ڈنک مارنے والے کیڑوں مثلاً بھڑ اور شہد کی مکھی کو یہ کم ہی شکار کرتی ہے۔ ابابیل کی کچھ اقسام پھل اور بیج بھی کھا لیتی ہیں۔ درختوں اور ندی نالوں کے اوپر، فضا میں اڑنے والے کیڑوں کی تعداد صبح اور شام کے وقت چوں کہ زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے ابابیل بھی اسی وقت آپ کو پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے دن کا باقی حصہ یہ اپنے گھونسلے میں درختوں پر یا کھیتوں کے کناروں پر بیٹھ کر بسر کرتی ہے۔

پرندوں پر تحقیق کرنے والے ماہرین نے دریافت کیا ہے کہ ابابیل دس ماہ تک مسلسل پرواز کر سکتی ہے جب کہ اپنے اس پورے سفر میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی زمین پر نہیں اترتی اور اڑتے دوران ہی اپنی غذا بھی حاصل کرتی ہے۔ واضح رہے کہ چھوٹی جسامت ہونے کے باوجود ابابیل کا شمار دنیا کی بلند پرواز اور تیز رفتار پرندوں میں کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے مسلسل طویل ترین مدت تک پرواز کا ریکارڈ چھ ماہ تھا۔ جو ابابیل ہی کی ایک قسم "الپائن سوئفٹ" کے پاس تھا۔

عام ابابیل نے جسے سائنسی زبان میں (Apus Apus) کہا جاتا ہے۔ یہ ریکارڈ بھی توڑ دیا ہے۔ یورپ سے افریقہ تک موسمی نقل مکانی کرتے ہوئے یہ ابابیل مسلسل دس ماہ تک بغیر رکے اور بغیر زمین پر اترے پرواز کرتی ہے۔ دل چسپ امر یہ ہے کہ سوئفٹ پرندوں کی زندگی بھی طویل ہوتی ہے اور ایک پرندہ اوسطاً بیس سال تک زندہ رہتا ہے۔ ان کے مسلسل سفر کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے۔ الپائن سوئفٹ اور عام ابابیل، دونوں پرندے ہی اپنی بیس سالہ زندگی میں اتنے فاصلے تک پرواز کر لیتے ہیں۔ جو چاند تک آنے اور جانے سات چکروں جتنا طویل ہوتا ہے۔

ابابیل 50 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے اڑ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بڑی تیزی سے غوطہ لگا سکتی ہے۔ اپنی اس پھرتی کی وجہ سے وہ فضا میں اڑتے ہوئے کیڑے پکڑ لیتی ہے۔ ابابیل اڑتے ہوئے اگر خطرہ محسوس کرے تو، اپنی نوک دار دم کی مدد سے اپنا رخ بھی تبدیل کر سکتی ہے۔

ابابیل اپنا گھونسلا درختوں یا چٹانوں میں موجود سوراخوں میں بناتی ہے۔ اکثر یہ کٹھ بڑھئی (Wood Pecker) کے چھوڑے ہوئے گھونسلے کو بھی استعمال میں لے آتی ہے۔ ابابیل اپنے گھونسلے کو مٹی سے مضبوط بناتی ہے۔ اس کے گھونسلے میں کئی راستے اور سرنگیں ہوتی ہیں۔ گھونسلے کی تعمیر میں نر اور مادہ دونوں حصہ لیتے ہیں۔ موسم بہار میں مادہ چار سے پانچ انڈے دیتی ہے۔ یہ انڈے زیادہ تر سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ جنہیں نر اور مادہ باری باری سیتے ہیں۔ 14 سے 18 دنوں کے بعد ان سے بچے نکلتے ہیں۔ پیدائش کے وقت ان بچوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور یہ بہت دیر میں نشوونما پاتے ہیں۔ تقریباً 15 دن کے بعد ان کے پر نکلتے ہیں اور پھر مزید ایک ہفتے کے بعد یہ اڑنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

چند مشہور اقسام:

کھیتوں، کھلیانوں میں ملنے والی ابابیل (Barn Swallow)

یہ دنیا میں سب سے زیادہ پائی جانے والی ابابیل ہے۔ گہرے نیلے نوک دار اور کانٹا نما دم اس کی خاص نشانیاں ہیں۔ یہ ابابیل کی سب سے بڑی قسم بھی ہے۔ یہ ساڑھے سات انچ تک لمبی اور 22 گرام تک وزنی ہوتی ہے۔ بارن سوالو کھیتوں کی دیواروں یا ان کے کنارے چٹانوں پر پیالہ نما گھونسلا بنا کر رہتی ہے۔"

درختوں پر رہنے والی ابابیل (Tree Swallow):

یہ ابابیل کی سب سے مشہور قسم ہے۔ یہ ابابیل گرمیوں کا موسم شمالی امریکہ کے ممالک جب کہ سردیاں میکسیکو اور جزائر ویسٹ انڈیز میں گزارتی ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 6 انچ جب کہ وزن 20 گرام تک ہوتا ہے۔ اس کے بالائی پروں کا رنگ گہرا نیلا یا سبز جب کہ پیٹ کے پروں کا رنگ سفید یا زرد ہوتا ہے۔ ٹری سوالو پانی کے نزدیک درختوں میں گھونسلا بنا کر رہتی ہے۔ یہ ابابیل کیڑوں کے علاوہ پھل بیج بھی کھاتی ہے۔

تار جیسی دم والی ابابیل (Wirt Tailed Swallow):

یہ ابابیل پاکستان، بھارت، سری لنکا اور بھوٹان میں پائی جاتی ہے۔ یہ سردیوں کا موسم میدانی علاقوں جب کہ گرمیاں پہاڑی علاقوں کے نزدیک گزارتی ہے۔ دم کے نزدیک تار جیسے دو پر، گہرا نیلا جسم اور سرخی مائل سر اس کی اہم نشانیاں ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ 7 انچ لمبی اور 15 گرام تک وزنی ہوتی ہے۔

بلیک ساونگ ابابیل (Black Saw Swallow):

یہ ابابیل کی سب سے چھوٹی قسم ہے۔ جو صرف براعظم افریقہ میں ملتی ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ 5.5 انچ تک لمبی ہوتی ہے۔ گہرا سیاہی مائل یا بھورا رنگ اور چھوٹی دم اس کی اہم نشانیاں ہیں۔ اسے بلیو ساونگ بھی کہتے ہیں۔

ویلکم ابابیل (Well Come Swallow):

یہ ابابیل صرف آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور اردگرد کے جزائر میں ملتی ہے۔ اس کی پشت کے پر گہرے نیلے جب کہ پیٹ کے پروں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ 6 انچ لمبی یہ ابابیل دیواروں پر مٹی کے گھونسلے بنا کر رہتی ہے۔

بہار کے موسم میں ٹری سوالو جھنڈ کی صورت میں پرواز کرتی ہیں۔ یہ زیادہ دیر تک نہیں اڑ سکتی یہ ابابیل صرف اس وقت آواز نکالتی ہے۔ جب کوئی خطرہ ہو یا اس نے دوسری ابابیلوں کو بلانا ہو۔

☆ ابابیل موقع اور ضرورت کے مطابق آوازیں نکالتی ہے۔ ابابیلوں کو بلانے کے لیے یہ سیٹی جیسی آواز جب کہ خطرے کے وقت یہ الارم جیسی آوازیں نکالتی ہے۔ اپنے بچوں کو بلانے کے لیے یہ بڑی سریلی آواز میں چہچہاتی ہے۔

☆ ابابیل اپنے بچوں اور انڈوں کی حفاظت بڑی بہادری سے کرتی ہے۔ مخالف پرندوں اور جانوروں کو بھگانے کے لیے یہ بڑی تعداد میں ان پر شور کرتے ہوئے حملہ کر دیتی ہے۔ نر ابابیل اپنے بچوں کی ہر پرندے کے مقابلے میں زیادہ حفاظت کرتی ہے۔

☆ ابابیل انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے والا پرندہ ہے۔ کیڑے مکوڑے کھانے کی وجہ سے کاشت کار اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ دنیا کے کئی ممالک میں اس (بقیہ: صفحہ نمبر 39)

بلاعنوان
اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 دسمبر 2017ء ہے۔
نومبر 2017ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔
سواری ہے ہاری اور سوار بہت بھاری، دعا کرو سب مل کے مل جائے منزل (محمد سالار، گوجر خان)
نہ گنجائش کو دیکھو اس میں نہ تو "کرایہ" کو دیکھو، دم اٹھا، خدا کا نام لے، چڑھ جا سواری کر (سائرہ مقصود، کراچی)
مدتوں یاد کرو گے ہمارے جانے کے بعد دوستی زوروں سے نہیں ہم، حوصلوں سے چلا کرتی
(محمد طارق زمان، ڈیرہ اسماعیل خان)
"ہمت کرے بچہ تو کیا ہو نہیں سکتا وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا (شافعہ اختر، سیالکوٹ)
تیری دوستی کے جذبہ کو میرا سلام جو ہاتھ نہ پھیلائے مگر کرے اپنا کام (محمد عمر، چکوال)
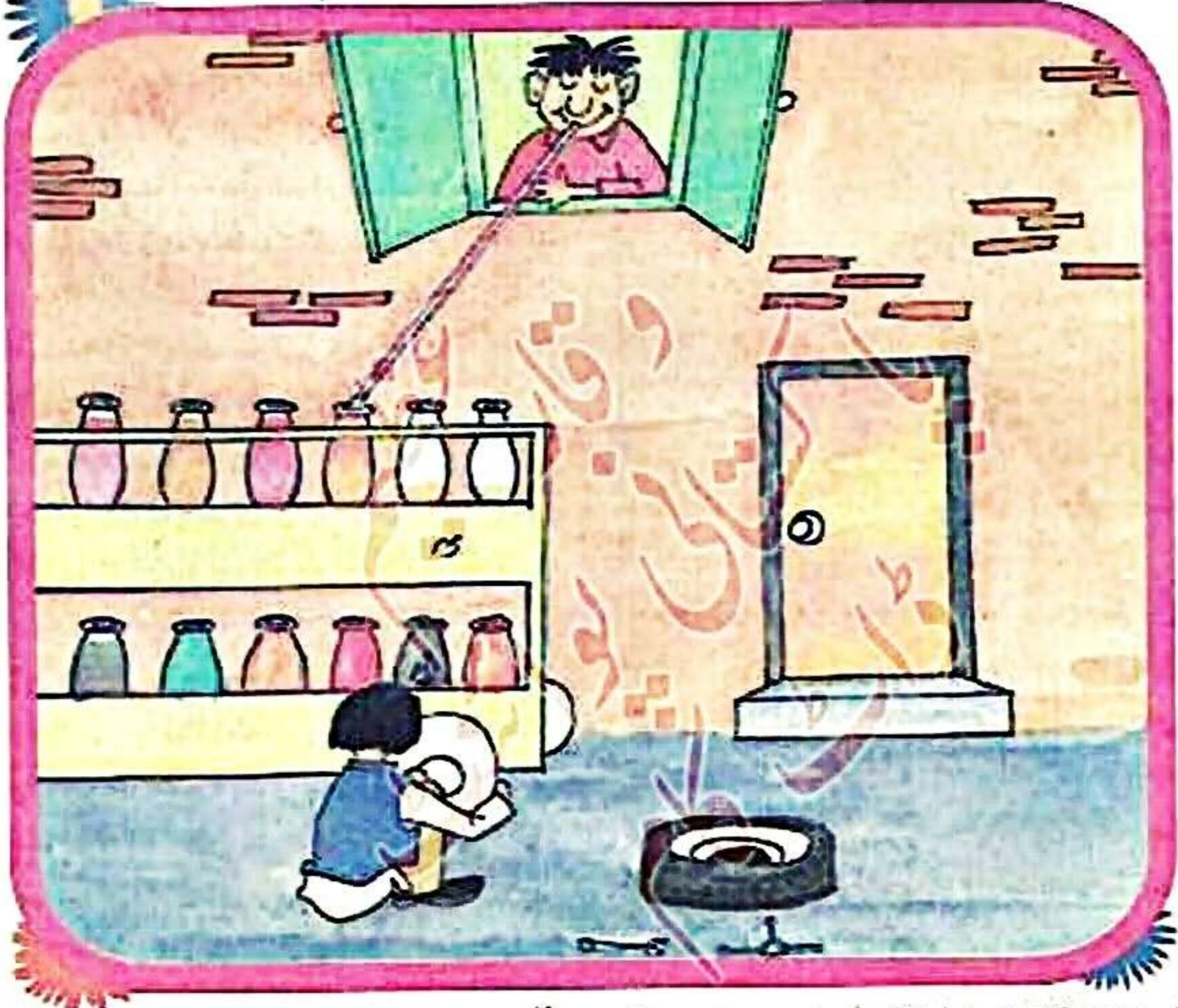
تحریم باسط، رحیم یار خان (پہلا انعام 195 روپے کی کتب)

سماء احمد، اوکاڑہ (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

ماہ نور اختر، رحیم یار خان (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

کنیز فاطمہ طاہر، لاہور کینٹ (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

رابعہ مشتاق، لاہور (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی: عمران بنت مدثر، راول پنڈی۔ واجد شہزاد، لاہور۔ جویریہ شیر علی، اسلام آباد۔ ربیل خرم، راول پنڈی۔ ماہ نور مدثر، لاہور۔ منیبہ عروج، پشاور۔ ابراہیم نوری، اسلام آباد۔ لائبہ سلیم، جعفر احمد قطب اکبر، نائلہ مشتاق، لاہور۔ مصباح نسیم، رحیم یار خان۔ سیدہ تحریم مختار، لاہور۔ میمونہ نوید، راول پنڈی۔ ہادیہ خالق، ڈیرہ غازی خان۔ علیمہ نور، لاہور۔ عالیہ راشد، ملتان۔ محمد مجتبیٰ عامر، اسلام آباد۔ مریم تیب، حسن غیب، لاہور کینٹ۔ محمد حسان، اٹک۔ صبیحہ نور، سیال کوٹ۔ تحسینہ جمیل احمد، حافظ آباد۔ عائشہ خان، رحیم یار خان۔ احمد کامران، تنظیمہ زہرہ، محمد احمد، محمد حسن، لاہور۔ ساجد ادریس، گجرات۔ فاطمہ ایمان، صحت اقبال، کراچی۔ صوفیہ راشد، ڈیرہ غازی خان۔ قسیم مغل، گوجرانوالہ۔ کوئٹہ۔ شاہد سلمان، فیصل آباد۔ عمران اظہر، ایبٹ آباد۔ اصغر فضل، شیخوپورہ۔ اسلم اشفاق، کراچی۔ رابعہ اطہر، ڈیرہ غازی خان۔

دسمبر کا موضوع
موسم سرما کے پھل
آخری تاریخ 8 دسمبر

جنوری کا موضوع
برف باری
آخری تاریخ 8 جنوری

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔